احمدی نوجوانوں کیلئے

مارچ 2006ء

مدیر

منصور احمد نور الدین

حضرت مسیح موعود و مہدئ موعود علیہ السلام (1835-1908)

محترم صدر صاحب کا پیغام

مجلس خدام الاحمدیہ کے نام

پیارے خدام بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ 17/جون 2003ء میں بیعت کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

''حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں ایک یہ شرط بھی ہے کہ ہم اب اس عہد کے ساتھ جماعت میں شامل ہوتے ہیں کہ بیعت کرنے کے بعد اب ہمارا اپنا کچھ نہیں رہا۔ اب سارے رشتے اور تمام تعلقات صرف اس وقت تک ہیں جب تک کہ وہ نظام جماعت اور حضور اقدس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کوئی رشتہ، کوئی تعلق ہمیں حضور علیہ السلام سے دور نہیں لے جا سکتا۔ ہم تو اُس دَر کے فقیر ہیں اور یہی ہمیں مقدم ہے۔''

(خطبات مسرور جلد اول صفحہ 368)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں بیعت کی حقیقت سمجھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

سید محمود احمد

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ خالد

مارچ 2006ء
امان 1385 ہش

جلد 53
شمارہ نمبر 3

monthlykhalid52@yahoo.com

مدیر
منصور احمد نور الدین

مجلس ادارت
لئیق احمد ناصر چوہدری، عبد الرحمٰن
وقار احمد، سید عطاء الواحد رضوی

اس شمارے میں

کمپوزنگ: اقبال احمد زبیر　پبلشر: قمر احمد محمود　مینیجر: عزیز احمد　پرنٹر: سلطان احمد ڈوگر
مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ)　مقام اشاعت: ایوان محمود دار الصدر جنوبی　قیمت ۱۰ روپے۔۔۔۔ سالانہ ۱۰۰

Ph: +92 47 6212349 - 6215415 - 6212685　Fax: +92 47 6213091

اداریہ

ہمارا سب سے پہلا عہد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 23/مارچ 1889ء کو حضرت صوفی احمد جان صاحب کے مکان واقع محلّہ جدید، ہوشیار پور میں بیعت کا آغاز فرمایا اور حضرت منشی عبداللہ سنوری صاحب کی روایت کے مطابق اس بیعت کے تاریخی الفاظ کے لئے ایک رجسٹر تیار کیا گیا جس کا نام ''بیعت توبہ برائے تقویٰ وطہارت'' رکھا گیا۔ اس رجسٹر میں ان خوش قسمت احباب کے نام بھی لکھے گئے جو بیعت کر کے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہوئے۔ اس بیعت کی دس شرائط تھیں۔ سب سے پہلی شرط یہ تھی کہ:-

''بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو شرک سے مجتنب رہے گا''۔

دراصل یہی بات سچے دین کی بنیادی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

یقیناً اللہ معاف نہیں کرے گا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کر دے گا جس کے لئے وہ چاہے۔ اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو یقیناً اُس نے بہت بڑا گناہ افترا کیا ہے۔ (النساء:49)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرک سے اجتناب کی خاص طور پر نصیحت فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ:-

ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو کبائر میں سے بڑے گناہوں کے بارہ میں نہ بتاؤں؟ وہ تین ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک قرار دینا' والدین کی نافرمانی کرنا' آپ سہارا لے کر لیٹے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا غور سے سنو تیسری بات' جھوٹی بات کرنا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب ما قیل فی شھادۃ الزور)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ منہ سے لا الہ الا اللہ کہیں اور دل میں ہزاروں بت جمع ہوں۔ بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر اور فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ پر رکھنا چاہیئے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہیے۔ان سب صورتوں میں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بت پرست ہے۔ بت صرف وہی نہیں ہیں جو سونے یا چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور ان پر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جس کو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالیٰ کا حق ہے وہ خدا تعالیٰ کی نگہ میں بت ہے .... یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو۔ خواہ انسان ہو۔ خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا۔ کوئی رازق نہ ماننا۔ کوئی معز اور مذل خیال نہ کرنا۔ کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا۔ اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلل اسی سے خاص کرنا۔ اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہو سکتی۔ اول ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار دینا۔ اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رسان نظر آتے ہیں یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنے محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گردا ننا۔ اور اسی میں کھوئے جانا۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 349`350)

ہماری بنیادی اور حقیقی تعلیم یہی ہے اور اسی پر ہماری جماعت کا قیام عمل میں آیا ہے کہ ہم خدا کی واحدنیت پر ایمان لائیں، ہمیشہ شرک سے بیزاری کا اظہار کریں اور اپنی نسلوں کو خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ کردیں۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، ملنا جلنا غرضیکہ زندگی کا ہر عمل خدا کی واحدنیت کے اظہار کے لئے ہو۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین
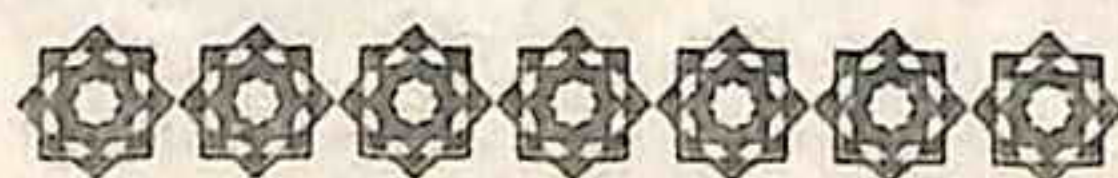
محبت کا ایک آنسو

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب

ہزار علم و عمل سے ہے بالیقیں بہتر
وہ ایک اشکِ محبت جو آنکھ سے ٹپکا

خراجِ حسن میں ہر جنس سے گرانمایہ
نُذرِ عشق میں کیا خوب گوہر یکتا

خلاصۂ ہمہ عالم ہے قلب مومن کا
خلاصۂ دلِ مومن یہ اشک کا قطرہ

نہ انفعال، نہ حسرت، نہ خوف و غم باعث
وہ ایک اَور ہی منبع ہے جس سے یہ نکلا

نہ اس کے راز کو دو کے سوا کوئی جانے
نہ یہ کسی کو خوب کب بنا۔ کہاں ڈھلکا

جو جھلکے آنکھ میں تو مست و بے خبر کر دے
گرے تو لے ویں ملائک اُسے لپک کے اُٹھا

نہیں زمانہ میں اس سا کوئی فصیح و بلیغ
جو دل کا حال ہو دلبر سے اس طرح کہتا

عرق ہے خونِ دلِ عاشقاں کا یہ آنسو
یہی ہے نارِ محبت سے جو کشید ہوا

یہ تحفہ وہ ہے جو خالص خدا کی خاطر ہے
نہیں ہے اس میں ریا اور نفاق کا شعبہ

پناہ تیزئ خورشیدِ روزِ محشر ہے
ملے گا اشک کی برکت سے عرش کا سایہ

جو ''عینِ جاریہ'' درکار ہے اے زاہدِ خشک
تو عینِ جاریہ اپنی بھی کچھ بہا کے دکھا

میں کیا سرشک محبت تیری کروں تعریف
کہ ذاتِ باری نے خود تجھ کو دوست فرمایا

مشعل راہ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ 2 دسمبر 2005ء بمقام ماریشس میں فرمایا:۔

جماعت احمدیہ کے جلسوں کے مقاصد

''یاد رکھیں کہ جماعت احمدیہ کے جلسوں کے خاص مقاصد ہوتے ہیں اور سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا کرنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ دن آپ لوگ دعاؤں اور عبادتوں میں گزارنے کی کوشش کریں۔ اگر یہ مقصد آپ نے حاصل کرلیا اور پھر اسے اپنی زندگیوں کا ہمیشہ اور دائمی حصہ بنانے کی کوشش کی تو سمجھیں آپ کا اس جلسہ میں شمولیت کا مقصد پورا ہو گیا۔

پس ان دنوں میں خاص طور پر اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور ان تین دنوں میں آپ خود بھی اور آپ کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ احساس ہو کہ واقعی آپ نے اپنے اندر نمایاں تبدیلی پیدا کی ہے۔ اگر یہ تبدیلیاں پیدا نہیں ہو رہیں، آپ کے نیکی اور تقویٰ کے معیار نہیں بڑھ رہے تو پھر اس جلسے میں شمولیت بے فائدہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑا واضح طور پر فرما دیا ہے کہ یہ کوئی دنیاوی میلہ نہیں جہاں لوگ جمع ہوں اور آپس میں گھلیں ملیں۔ شور شرابہ ہو، نعرے بازی ہو اور بس۔ ایک سال جب آپؑ نے محسوس کیا کہ لوگ اس مقصد کو پورا نہیں کر رہے تو آپؑ نے جلسہ بھی منعقد نہیں فرمایا تھا۔ اگر نعرے دل سے نہیں اٹھ رہے، اگر نعرے آپ کے دل میں پاک تبدیلی پیدا کرنے کا جوش پیدا نہیں کر رہے تو یہ نعرے بے فائدہ ہیں۔ اگر تقریریں سن کر آپ میں صرف وقتی جوش پیدا ہو رہا ہے اور جلسہ گاہ سے باہر نکل کر اسی جگہ پر کھڑے ہوں جہاں آپ پہلے تھے۔ اور اپنی روحانی ترقی میں قدم آگے بڑھانے والے نہ ہوں تو غور کرنا چاہیے کہ ہم کیوں جلسے میں شامل ہوتے تھے۔ یہ غور کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ پس اگر آپ میں سے ہر ایک کو اس غور کی عادت پڑ جائے یا احساس پیدا ہو جائے، جوان اور بوڑھے، مرد اور عورتیں سب اس سوچ کے ساتھ جلسے کے یہ دن گزارنے کی کوشش کریں گے تو نہ صرف ان تین دنوں میں روحانیت میں ترقی کر رہے ہوں گے بلکہ جلسے کے بعد بھی یہ احساس رہے گا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کے بعد اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ ہم نے آپؑ کے ہاتھ پر ان شرائط پر بیعت کی ہے جو صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی طرف لے جاتی ہیں۔ ہم نے ان شرائط پر آپؑ کی بیعت کی ہے جو صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی طرف توجہ دلانے والی ہیں۔ اگر یہ احساس پیدا نہیں ہوتا تو احمدی ہونا بھی بے فائدہ ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو گناہگار بنانے والی بات ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی لحاظ سے بھی بے مقصد مشکلات میں گرفتار ہونے والی بات ہے۔

یہاں بھی بعض اوقات آپ لوگوں کو دوسرے (مومنوں) کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی اکثریت اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دل میں قائم کرتے ہوئے، اللہ کی خاطر احمدیت کی وجہ سے آنے والی مشکلوں اور مخالفتوں کو برداشت کرتی ہے اور آپ اللہ کے فضلوں کے وارث بھی ٹھہرتے ہیں۔ لیکن جو احمدیت قبول کرنے کے بعد بھی اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کر رہے وہ بلاوجہ ان مخالفتوں کو اپنے سر مول لے رہے ہیں۔ کیونکہ اپنے اعمال ٹھیک نہ کرکے، اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دے کر آپ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث نہیں ٹھہر رہے ہوتے۔ پس اس جذبے کو جو پاک تبدیلیاں اپنے اندر پیدا کرنے کا جذبہ ہے آپ نے آگے بڑھانا ہے، اس کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر عمل کرنے کے تمام اعلیٰ معیار حاصل کرنے ہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ آپس میں محبت اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرنی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ایک جگہ ٹھہرنا نہیں بلکہ آگے سے آگے بڑھنا ہے"۔

فاستبقوا الخیرات

"اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے کہ تمہاری زندگیوں کا یہی مقصد ہونا چاہیے کہ۔ فاستبقوا الخیرات۔ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ جب تم ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے تو نیکیوں کے اعلیٰ معیار بھی قائم کر رہے ہو گے۔ اور یہ تبھی ہو گا جب اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو گے۔ پس ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف دلوں میں رکھتے ہوئے، تقویٰ پر قدم مارتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے، اس کے آگے جھکتے ہوئے، اس سے مدد مانگتے ہوئے تقویٰ میں بڑھنے کی کوشش کریں اور ایک اچھے (مومن) ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے جو ہماری ذمہ داری لگائی ہے آپ لوگ اس کو پورا کرنے والے ہوں"۔

جماعت احمدیہ کی خوش قسمتی

"احمدی لوگ تو بہت خوش قسمت لوگ ہیں جو اس زمانے کے امام کی جماعت میں شامل ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنے والے بنے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل کرنے والے بنے ہیں کہ جب میرے مہدی کا ظہور ہو تو اسے مان لینا خواہ تمہیں برف کی سلوں پر گھٹنوں کے بل چل کر بھی جانا پڑے جانا اور میرا سلام کہنا۔ پس آپ کو اپنے احمدی ہونے پر فخر اور ناز ہونا چاہیے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر پیشگوئی اور آپؐ کے ہر حکم پر ایمان لانے والے ہیں۔ لیکن یہ ایمان کامل تبھی ہو گا جب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عاشق صادق کی تعلیم پر عمل بھی کر رہے ہوں گے، ان نصائح پر عمل کر رہے ہوں گے جو آپ نے قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح طور پر سمجھ کر ہمیں دی۔

آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ قرآن و سنت کو سمجھنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اور عدل کہہ کر یہ بتا دیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کو قرآن و سنت کا سب سے زیادہ فہم و ادراک ہے۔ اس لئے کسی بھی مسئلے کی یہ شخص جو تشریح کرے گا، وضاحت کرے گا، وہی صحیح اور درست ہو گی۔ جس تعلیم کو یہ تم میں رائج کرے گا، یہی خدا کے ساتھ ملانے والی تعلیم ہے"۔......

عبادات کی طرف توجہ

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ نمازیں پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل حاصل کرو گے اور اس کی برکتیں بھی حاصل ہوں گی۔ لیکن جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ نماز میں ایسی حالت میں آؤ کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دل میں ہو۔ دوسرے دنیاوی خیالات ہیں، کاروباری خیالات ہیں یا دوسری دنیاداروں کی باتیں ہیں اور ان کو مکمل طور پر اس وقت دل سے نکال دو اور جب اس طرح صرف خالص اللہ کے ہو کر نمازیں پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر مہربان بھی ہوگا اور رحم فرمائے گا''۔

اعمال صالحہ

''پھر ان عبادتوں کے ساتھ ایک اہم چیز تمہارے دوسرے اعمال ہیں۔ ان اعمال میں بھی تمہاری اس نیکی کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ اس لئے یہ معیار حاصل کرنے کے لئے تمہارے ہر قول و فعل سے سچائی ظاہر ہونی چاہیے۔ کبھی دھوکہ اور جھوٹ تمہارے کسی عمل سے ظاہر نہ ہو۔ کیونکہ اگر ہماری باتوں میں جھوٹ اور غلط بیانی شامل ہے تو یہ شرک کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔ اس لئے شرک سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو بھی اور اپنے بچوں کو بھی جھوٹ سے پاک کرنا ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دو بڑے حکم ہیں۔

پس ہمیشہ ان کو اپنے پیش نظر رکھو یعنی ایک تو ایک خدا کو ماننا اور اس کی محبت دل میں قائم کرنا۔ اس سے بڑھ کر کسی سے محبت نہ ہو۔ اور اس محبت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل بھی ہو۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی ہو۔ اپنے کسی بھائی کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ بلکہ ایک دوسرے کے کام آؤ۔ اگر تم یہ دونوں باتیں نہیں کر رہے تو تمہارا اس زمانے کے امام صادق سے تعلق اور بیعت کا دعویٰ صرف منہ کی باتیں ہیں۔

پس ہر احمدی کا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جس درد کے ساتھ اپنے ماننے والوں کو جو نصائح فرمائی ہیں ان پر عمل کرنے والے ہوں۔

اسی ضمن میں دوسری بات یہ کہنی چاہتا ہوں کہ آج ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نئی ایجادات کے ذریعہ (دینِ حق) کی خوبصورت تعلیم کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ہی ہر جگہ پہنچانے کا موقع میسر فرمایا ہے پس اس سے بھی فائدہ اٹھائیں اور ایم ٹی اے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمت میسر فرمائی ہے اس میں وہ تمام پروگرام جو آپ سمجھ سکتے ہیں وہ دیکھیں۔ خاص طور پر خطبہ جمعہ کو ضرور سننے کی عادت ڈالیں۔ کیونکہ اب تک کی ملاقاتوں میں جو جائزہ میں نے لیا ہے اس سے مجھے احساس ہوا ہے کہ کافی بڑی تعداد یہاں جماعت کی ہے جو ایم ٹی اے سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھاتی۔ اس طرف جماعتی نظام بھی توجہ دے اور ذیلی تنظیمیں بھی توجہ دیں اور دیکھیں کہ کتنے لوگ ایم ٹی اے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور کیا کوشش کرنی چاہیے جن سے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے کیونکہ جتنی زیادہ دنیا میں مذہب سے دور لے جانے والی دلچسپیاں پیدا ہو رہی ہیں اتنی زیادہ ہمیں اس سلسلے میں کوشش کرنے کی ضرورت ہے''۔

(الفضل انٹرنیشنل 23 دسمبر تا 29 دسمبر 2005ء)

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام
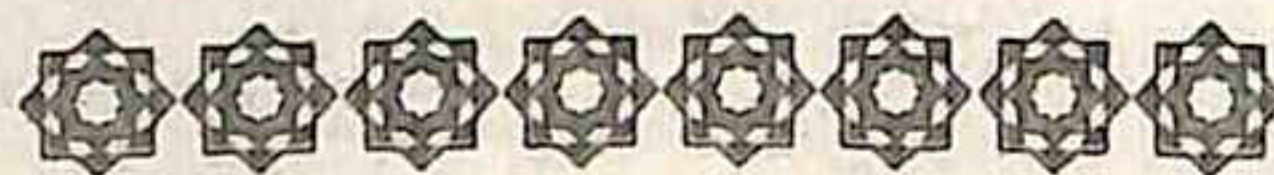
ایک مقدمہ میں نشان الٰہی

(مرسلہ: مکرم عرفان سیف صاحب ۔ ملیر کینٹ کراچی)

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

''ایک زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے والد صاحب کی مدد کے لئے ان کے دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے تھے لیکن آپ کا دل کسی اور طرف تھا۔ اور ''دست درکار دل بایار'' کی مثال بنے ہوئے تھے۔ مقدمات سے ذرا فارغ ہوتے تو خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جاتے اور ان سفروں میں جو آپ کو مقدمات میں کرنے پڑتے آپ ایک وقت کی نماز بھی بے وقت نہ ہونے دیتے بلکہ اپنے اوقات پر نماز ادا کرتے۔ بلکہ مقدمات کے وقت بھی نماز کو ضائع نہ ہونے دیتے۔

چنانچہ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ آپ ایک ضروری مقدمہ کے لئے جس کا اثر بہت سے مقدمات پر پڑتا تھا اور جس کے آپ کے حق میں ہو جانے کی صورت میں آپ کے بہت سے حقوق محفوظ ہو جاتے تھے۔ عدالت میں تشریف لے گئے۔ اس وقت کوئی ضروری مقدمہ پیش تھا اس میں دیر ہو گئی اور نماز کا وقت آ گیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ مجسٹریٹ تو ایک اور مقدمہ میں مصروف ہے اور نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے تو آپ نے اپنے مقدمہ کو خدا کے حوالے کیا اور خود ایک طرف جا کر وضو کیا اور درختوں کے سایہ تلے نماز پڑھنی شروع کر دی جب نماز شروع کر دی تو عدالت سے آپ کے نام پر آواز پڑی۔ آپ آرام سے نماز پڑھتے رہے اور بالکل اُس طرف توجہ نہ کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو یقین تھا کہ مقدمہ میں فریق مخالف کو یکطرفہ ڈگری مل گئی ہوگی۔ کیونکہ عدالت ہائے کا قاعدہ ہے کہ جب ایک فریق حاضر عدالت نہ ہو تو فریق مخالف کو یکطرفہ ڈگری دی جاتی ہے۔ اسی خیال میں عدالت میں پہنچے۔ چنانچہ جب عدالت میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ چونکہ فیصلہ عدالت معلوم کرنا ضروری تھا جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ مجسٹریٹ نے جو ایک انگریز تھا۔ کاغذات پر ہی فیصلہ کر دیا تھا اور ڈگری آپ کے حق میں دی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کی طرف سے وکالت کی۔ غرض آپ ان دنیاوی کاموں میں اسی طرح مشغول تھے جس طرح ایک شخص کوئی ایسا کام کرے جس کے کرنے پر وہ راضی نہ ہو حالانکہ وہ کام خود آپ کے نفع کا تھا کیونکہ آپ کے والد صاحب کی جائیداد کا محفوظ ہونا درحقیقت آپ کی جائیداد کا محفوظ ہونا تھا کیونکہ آپ ان کے وارث تھے۔ پس آپ کا باوجود عاقل و بالغ ہونے کے اس کام سے بیزار رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دنیا سے بکلی متنفر تھے اور خدا تعالیٰ ہی آپ کا مقصود تھا''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از قلم حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب خلیفۃ المسیح الثانی)

درسِ حدیث
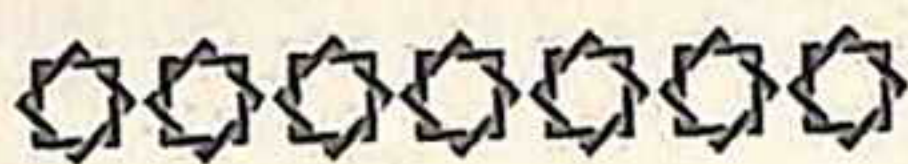
مومن کے فرائض

"ایک (مومن) دوسرے (مومن) کا آئینہ ہے" (الحدیث)

(حضرت میر محمد اسحاق صاحب)

یہ حدیث کیا ہے؟ ایک (مومن) کے دوسرے (مومن) کے ساتھ تعلقات کا ایک مکمل مرقع ہے کہ جس سے کوئی تعلق باہر نہیں رہ سکتا۔

(۱)

جس طرح آئینہ دیکھنے پر چہرہ کے دھبے داغ ہر قسم کی میل کچیل۔ پگڑی کی غلط بندش۔ غرض سب قسم کے عیوب نظر آجاتے ہیں۔ اسی طرح ایک (مومن) کا فرض ہے کہ وہ اپنے اعمال اپنے افعال اپنے اطوار اور اپنے طور وطریق کے لحاظ سے اچھا ہو۔ کہ دوسرا (مومن) اسے دیکھ کر اپنی روش کو اپنے غلط طور طریق پر فوراً آگاہ ہوسکے۔ اور جس طرح آئینہ دیکھ کر فوراً انسان اپنی درستی کر لیتا ہے اسی طرح ایک (مومن) کو بھی ہونا چاہیے۔ کہ اس کی خوبیاں دیکھتے ہی لوگ اپنی غلطیوں کا احساس کرلیں۔

(۲)

جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کو تو اس کے عیوب پر مطلع کرتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو کسی کے عیب نہیں بتاتا۔ بلکہ ہر شخص کو اسی کے عیوب پر آگاہ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک (مومن) کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے بھائی کے عیوب پر اسے پوشیدگی میں مطلع کردے۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلے۔ مگر یہ اُس کے لئے جائز نہیں۔ کہ وہ لوگوں کے سامنے ڈھنڈورا پیٹنا شروع کردے۔ اور دوسرے لوگوں کو اس کے عیوب پر مطلع کرے۔

(۳)

بعض لوگ باوجود اپنے بھائی میں کسی عیب کے ہونے کے خیر خواہی سے کام نہیں لیتے۔ اور کبھی محبت اور نرمی سے نہیں سمجھاتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہمیں کیا۔

عیسیٰ بدین خود۔ موسیٰ بدین خود۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ طریق محض غلط ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں سچے (مومن) کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے کہ جب وہ آئینہ کے سامنے آئے اور اپنے چہرے پر داغ اور دھبے دیکھے مگر ان داغ اور دھبوں کو دور نہ کرے تو یہ درست نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک سچے (مومن) کا فرض ہے کہ وہ خلوت اور پوشیدگی میں کمال خیر خواہی سے اپنے (مومن) بھائی کو اس کی قابل اصلاح غلطیوں کی طرف توجہ دلائے اور اسے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرے۔

(۴)

جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کو اُس کے چہرہ کے عیوب پر آگاہ کرتا ہے اس کی خوبیوں کو بھی وہ ظاہر کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ پگڑی کی غلط بندش کا تو آئینہ سے پتہ لگ جائے۔ مگر درست بندش کا پتہ نہ لگے۔ یا چہرہ کی بدصورتی یا میلا ہونے اور داغ دھبے تو آئینہ بتا دے۔ مگر خوبصورتی یا چہرہ کا صاف ہونا اور دھبوں سے پاک ہونا آئینہ ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ آئینہ جس طرح عیوب پر مطلع کرتا ہے۔ خوبیوں پر بھی اسی طرح آگاہ کرتا ہے۔ اسی طرح (مومن) کا صرف یہی فرض نہیں کہ اپنے (مومن) بھائی کے نقائص کا ہی آئینہ ہو بلکہ اس کی خوبیوں کا بھی معترف ہو۔ اور جس طرح اس کے نقائص بیان کر کے اس کے دل کو زخمی کرتا مگر اصلاح اور تنبیہ کے لئے ایسا کرتا ہے۔ یہ بھی اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے (مومن) بھائی کی خوبیوں کا بھی ذکر کرے۔ تاکہ اس کا دل خوش ہو اور وہ آگے سے بڑھ کر ان خوبیوں پر قائم ہو جائے ورنہ جس بچے کی ہمیشہ غلطیاں نکالی جائیں اور اچھا پڑھنے اور اچھا لکھنے پر اسے شاباش نہ دی جائے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔

(۵)

جس طرح آئینہ چہرہ کے عیوب صرف اسی وقت دکھاتا ہے جب وہ چہرہ کے سامنے ہو لیکن جب اسے چہرہ کے سامنے سے ہٹا لیا جائے اس وقت آئینہ میں وہ عیوب قائم نہیں رہتے۔ اسی طرح ایک (مومن) جب کسی دوسرے (مومن) سے ملے۔ اور اس میں کوئی عیب یا غلطی پائے تو آئینہ کی طرح خاموشی سے اس پر ظاہر کر دے۔ مگر یہ نہ کرے کہ جب اس سے جدا ہو کر گھر جائے۔ تب بھی اس کے دل میں دوسرے (مومن) کے عیوب جاگزین ہوں۔ بلکہ چاہیے کہ اس کا دل اپنے بھائی کی طرف سے آئینہ کی طرح ہر قسم کے گرد و غبار سے بالکل صاف ہو۔

میں نے اس بارے میں اپنے شیخ اور استاد نورالدین اعظم کو بے نظیر پایا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں جب سونے لگتا ہوں تو اپنے دل کو غم و غصہ اور کینہ اور رنجش سے بالکل صاف کر کے سوتا ہوں اور دن کی کسی شخص سے کسی بات کی وجہ سے طبیعت میں خواہ کسی قدر غصہ اور رنج کیوں نہ ہو سوتے وقت اس کی طرف سے دل بالکل صاف کر لیتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ میرا شیخ کیسا بے نظیر شخص تھا۔ اے اللہ! کروڑ در کروڑ رحمتیں اُس پاک اور بے نظیر وجود پر مجھ عاجز اور بے سرو مایہ شخص کی طرف سے نازل فرما کہ میری گردن اس کی بیعت، اس کی شاگردی اور اس کے احسانات کے بار سے دبی پڑی ہے۔

اور مجھے توفیق عطا فرما کہ جس طرح میں نے اپنے شیخ سے علم دین سیکھا میں بھی اس کی اولاد میں کسی فرد کو وہ کچھ سکھا سکوں جو مجھے آتا ہے۔ آمین

(روزنامہ الفضل 30 رجنوری 1941ء)
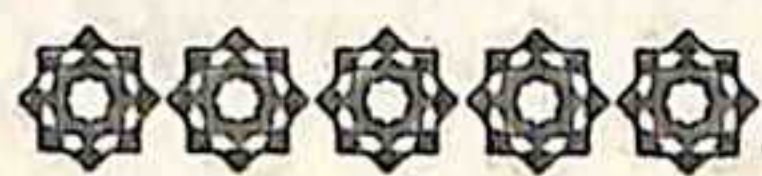
23/مارچ اور جماعت احمدیہ

(مکرم ظہور الٰہی توقیر صاحب)

انیسویں صدی کے وسط میں دینِ حق کی جو حالت زار تھی اس کے متعلق ہر شخص جانتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں ہر مذہب کی طرف سے اور خاص طور سے عیسائی پادریوں کی طرف سے دینِ حق اور اس کے پیشوا پر چاروں جانب سے اعتراضات کی صورت میں حملے جاری تھے۔ اس وقت کسی عالم میں اتنی طاقت اور قوت نہ تھی کہ وہ دینِ حق اور اس کے بانی کو ان حملوں کی زد سے بچائے۔ دینِ حق پر جس وقت ظلمت اپنے سائے پھیلائے ہوئے تھی اس وقت کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بیقراری کا اظہار یوں فرمایا ہے:

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے
اے میرے سورج نکل باہر کہ مَیں ہوں بے قرار

یہ بیقراری صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں ہی نہیں پائی جاتی تھی بلکہ اس وقت کے علماء بھی شدت کے ساتھ اس بات کے منتظر تھے کہ اب ایک ایسے مسیحا کی ضرورت ہے جو دینِ حق کا دفاع کرے۔ اس زمانہ کے صوفی منش بزرگ حضرت صوفی احمد جان صاحب جو لدھیانہ کے ایک بہت بڑے عالم اور سجادہ نشین تھے جن کے مرید احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان کی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات تھی اور آپ کی زبانِ مبارک سے جاری ہونے والے کلمات کو سنا کرتے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شخصیت کو دیکھ کر اور حالات زمانہ کو دیکھ کر ان کے منہ سے ایک ایسا شعر جاری ہوا جو اس وقت کے حالات کی بہترین عکاسی کرتا ہے

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

اسی طرح مولوی عبدالقادر صاحب نے حضرت اقدسؑ سے بیعت لینے کا کہا تو آپ نے بلا تامل فرمایا لَسْتُ بِمَاْمُوْرٍ۔ (یعنی میں مامور نہیں ہوں)

(تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 327)

آپ نے بیعت نہ لینے کے متعلق فرمایا:

"بیعت کے بارے میں اب تک خداوند کریم کی طرف سے کچھ علم نہیں۔ اس لئے تکلف کی راہ میں قدم رکھنا جائز نہیں"۔

(حیاتِ احمد جلد دوم نمبر دوم صفحہ 12-13)

الغرض جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے بیعت لینے کے متعلق واضح احکام نہ ملے اس وقت تک آپ نے اپنے عقیدت منداحباب سے بیعت نہ لی۔ جب خدا تعالیٰ نے آپ کو کہا کہ اب بیعت لو تو آپ نے یکم دسمبر 1888ء کو

ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں

وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبت مولےٰ کا راہ

سیکھنے کے لئے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور غدّارانہ

زندگی کے چھوڑنے کے لئے مجھ سے بیعت لیں۔"

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 158)

12 / جنوری 1889ء کو ایک اور اشتہار "تکمیل ......"
کے نام سے شائع فرمایا جس میں آپ نے ان دس شرائطِ بیعت کو درج فرمایا جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے لازمی ہیں۔

اس اشتہار کے بعد حضرت اقدس لدھیانہ تشریف لے گئے اور حضرت صوفی احمد جان صاحب کے مکان واقع محلّہ جدید میں رہائش اختیار فرمائی۔ لدھیانہ میں آپ نے 4 / مارچ 1889ء کو ایک اور اشتہار "گذارش ضروری بخدمت ان صاحبوں کے جو بیعت کرنے کے لئے مستعد ہیں" کے نام سے جاری فرمایا جس میں آپ نے فرمایا کہ جنہوں نے بیعت کرنی ہو وہ لدھیانہ محلّہ جدید میں 20 / مارچ کے بعد تشریف لے آویں۔

مارچ کا مہینہ اپنے اندر یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس وقت موسمِ بہار کی آمد آمد ہوتی ہے۔ اس ماہ میں خزاں اور پت جھڑ کی وجہ سے جو پودے خشک منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں ان میں ایک نئی زندگی رقص کرتی نظر آتی ہے۔ فصلِ بہار کی آمد سے اِحیاءِ موتیٰ کا سماں پیدا ہوتا ہے اور ہر طرف سبزہ اور روئیدگی ظاہر ہونا شروع ہوتی ہے۔ یہ گویا سردیوں کے بیت جانے اور خوشگوار موسم کی آمد کا اعلان ہوتا ہے۔ حضرت اقدسؑ کا اِس ماہ کے اندر جماعتِ احمدیہ کے قیام کا آغاز کرنا گویا اِس طرف اشارہ تھا کہ دینِ حق کے باغ پر جو خزاں طاری تھی اس کے ختم ہونے اور اس کے پھلنے پھولنے کا وقت آ گیا ہے۔ آپؑ کی آمد درحقیقت دینِ حق کے موسمِ بہار کی آمد اور خوشگوار ایام کا آنا تھا۔ جس کے نتیجہ میں پھر سے دینِ حق کے باغ کے لہلہانے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ آپ نے خود فرمایا ہے:

دوستو اُس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی
آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن

جو دور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
چلنے لگی نسیم عنایاتِ یار سے

باغ میں ملت کے ہے کوئی گُلِ رعنا کھِلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

یہ ایک عجیب بات بلکہ خدائی حکمتوں میں سے ایک اہم حکمت ہے کہ 12 / جنوری 1889ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے شرائطِ بیعت کے اشتہار کا اعلان فرما کر سلسلہ احمدیہ کی بنیاد رکھی اور اُسی روز اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ موعود فرزند عطا فرمایا جس نے بعد میں جا کر خلیفہ ثانی اور مصلح موعود بننا تھا۔ ان دونوں باتوں کے اجتماع میں دراصل یہ مخفی اشارہ تھا کہ سلسلہ کی اشاعت میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کو اہم دخل ہوگا۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے بھی یہی گواہی دی۔

آپ نے صوفی احمد جان صاحب کے مکان کی جس کچی کوٹھری میں سب سے پہلی بیعت لی وہ اب ''دار البیعت'' کے نام سے مشہور ہے۔ صوفی صاحب کے مکان کا نقشہ مکرم برکت علی صاحب لائق نے ریویو آف ریلجنز جون جولائی 1943ء میں ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''جاننا چاہیے کہ یہ جگہ لدھیانہ محلہ جدید کوچہ ڈاکٹر احمد جان (احمدی) میں واقع ہے۔ اور اس کوچہ کی شمالی حد کو قائم کرتی ہے، جو اپنی موجودہ شکل میں ایک چھوٹی سی خوبصورت بیت، ایک چھوٹا حجرہ، دو کمروں اور ایک چھوٹے سے صحن پر مشتمل ہے۔ جس میں ہینڈ پمپ، غسل خانہ، جائے ضرورت وغیرہ ضروری چیزیں مہیا ہیں۔ بیت اور کمروں کے اندر بجلی کا ایک ایک قمقمہ آویزاں ہے۔ جنوبی حصہ میں کچھ زمین صاف پڑی ہے، جو ایک فیملی کوارٹر کی تعمیری صورت میں آنے کے لئے کسی چابک دست معمار کے انتظار میں چشم براہ ہے۔ کمروں کے دروازے باہر کوچہ میں بھی کھلتے ہیں اور دوسری طرف بیت اور صحن بیت میں بھی۔ شرقی کمرہ میں لائبریری ہے۔ اور اسی کمرہ کی مشرقی دیوار کے جنوبی کونے کے پہلو میں وہ مقدس جگہ ہے جہاں (حضرت) احمد قادیانی علیہ السلام نے بیٹھ کر پہلی بیعت لی تھی۔

یہ جگہ جو دار البیعت کو آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ اور جانب جنوب اس کے ساتھ کا ملحقہ مکان دونوں صوفی صاحب مرحوم کی ملکیت میں تھے۔ رہائشی مکان میں وہ خود اپنے اہل و عیال کے ساتھ اقامت پذیر تھے۔ اور دار البیعت والی جگہ میں ان کا قائم کیا ہوا لنگر خانہ جاری تھا جو بھوکے لوگوں کی شکم سیری کی خدمت ادا کرتا تھا۔''

(ریویو آف ریلجنز جون جولائی 1943ء صفحہ 34-35)

اس طرح الٰہی بشارتوں کے مطابق 23/مارچ 1889ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس موعودہ جماعت کی بنیاد ڈالی جس نے آئندہ چل کر ساری دنیا کے لوگوں کو دینِ حق کی صحیح تعلیم سے آشکار کرنا تھا اور جس کے ذریعہ سے دینِ حق کا غلبہ دنیا کے تمام ادیان پر ہونا مقدر تھا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے بیعت لینے کے لئے جس کمرے کا انتخاب کیا اس کے دروازے پر حافظ حامد علی صاحب کو مقرر کیا تھا اور انہیں ہدایت دی کہ جسے میں کہتا جاؤں اسے کمرہ میں بلاتے جاؤ۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب کو بلوایا۔ حضرت اقدسؑ نے مولوی صاحب کا ہاتھ کلائی پر سے زور کے ساتھ پکڑا اور بڑی لمبی بیعت لی۔ مردوں کی بیعت لینے کے بعد جب حضرت اقدسؑ گھر میں آئے تو سب سے پہلے حضرت مولوی نور الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ حضرت صغریٰ بیگم صاحبہ نے بیعت کی۔ اس روز چالیس افراد کو حضرت اقدس کی بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

23/مارچ کا دن صرف جماعتِ احمدیہ ہی کے لئے خاص اہمیت کا حامل نہیں بلکہ اس کی اہمیت تاریخِ دینِ حق پر بھی محیط ہے۔ اس دن سے ہماری بہت سی یادیں اور ترقیات وابستہ ہیں۔ اس دن قادیان جیسی ایک گمنام بستی کے ایک گمنام اور عاجز بندے نے حکمِ خداوندی کے موافق

ایک عالمگیر جماعت کی بنیاد رکھی۔ یہ وہ جماعت تھی جس نے ایمان کو ثریا سے لاکر دوبارہ زمین میں پھیلانا تھا۔ یہ وہ جماعت تھی جس نے دینِ حق کی برکتوں اور فضیلتوں کو دوبارہ سے دنیا میں قائم کرنا تھا۔ پس اس جماعت کے قیام سے ہر طرف ایک عجیب سماں پیدا ہو گیا۔ پہلے سب لوگ انتظار کر رہے تھے کہ یہ چودھویں صدی گزر رہی ہے اور ابھی تک مسیح موعود کیوں نہیں نازل ہوا؟ لیکن جیسے ہی حضرت اقدس علیہ السلام نے امام مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ویسے ہی وہ لوگ جو پہلے آپ کے منتظر تھے انکار کرنے والے ہو گئے اور آپ کی مخالفت کرنے لگے۔

یہ جماعت ہر لحاظ سے تاریخی حیثیت کی حامل جماعت ہے کیونکہ اسی نے آخرین کو اوّلین سے ملانا تھا۔ پس اس جماعت کے پیدا ہونے سے سب کچھ اسی طرح ہو گیا جیسا کہ دینِ حق کے آغاز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا۔ اپنے آغاز سے لے کر آج تک یہ جماعت پھل پھول رہی ہے اور دن بدن خدا تعالیٰ اپنا فضل اس جماعت پر اس کثرت سے نازل کرتا نظر آرہا ہے کہ عقلمند انسان ان کو محسوس کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو غلبہ دینا ہی دینا ہے جیسا کہ اس جماعت کے قیام سے قبل ہی الٰہی بشارات کے حصول کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے یہ پیشگوئی فرمادی تھی:

''خُدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا کہ دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہو گا اور وہ انہیں آپ اپنی رُوح سے قوت دے گا۔ اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا۔ وہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک پیشین گوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے، اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا۔ وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے۔ اور (دینِ حق کی) برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔ وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر یک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی۔ اس رب جلیل نے یہی چاہا ہے۔ وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر یک طاقت اور قدرت اسی کو ہے''۔

(اشتہار ''گذارش ضروری بخدمت ان صاحبوں کے جو بیعت کرنے کے لئے مستعد ہیں'' مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ:165-166)
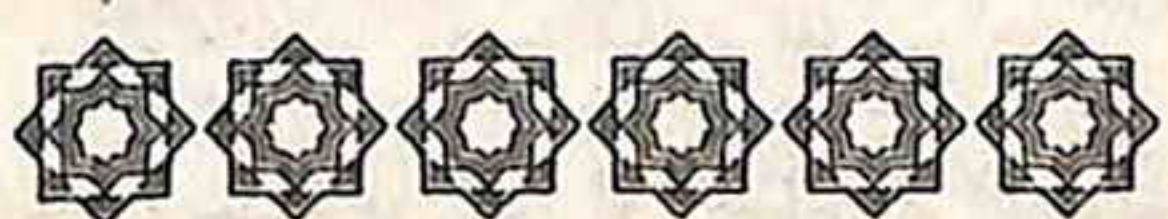
حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی اسلام کی خاطر قربانیاں

(مکرم مرزا عرفان قیصر صاحب۔ خانقاہ ڈوگراں)

تاریخ مذاہب گواہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ اپنے کسی فرستادہ کو مبعوث فرماتا ہے تو دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک گروہ اس پر ایمان لاتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس کی مخالفت کے درپے ہو جاتا ہے۔ مخالف گروہ نہ صرف زبان سے مخالفت کرتا ہے بلکہ دست درازیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور اس کے ماننے والی جماعت کو بدنی تکالیف پہنچاتا ہے۔ اس پر مومن گروہ ان تکالیف کو اپنے ایمان کی خاطر برداشت کرتا ہے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے لئے کئی قسم کی قربانیاں کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی جان بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دی جاتی ہے۔ ہر نبی کی جماعت نے اپنے اپنے وقت میں قربانیاں پیش کیں لیکن جو قربانیاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ پاک جماعت نے پیش کیں وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں ان سے ہر قسم کا ظلم روا رکھا گیا لیکن انہوں نے مصائب و آلام کی چکی میں پسنے کے باوجود صبر و استقامت کے ایسے بے نظیر نمونے قائم کئے جو رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے۔ ذیل میں صحابہ کی عظیم قربانیوں میں سے چند ایک واقعات کا ذکر آئے گا۔

حضرت بلالؓ کی قربانی

سیدنا حضرت بلالؓ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کا آقا امیہ بن خلف دوسرے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر آپ کو سخت ایذائیں دیا کرتا۔ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کے ہاتھ میں تھما دی جاتی اور انہیں کہا جاتا کہ اس کو مکہ کا چکر لگواؤ آپ کی زبان پر ایک ہی کلمہ جاری ہوتا۔ احد احد۔

آپ کو سخت دھوپ میں زمین پر لٹا کر اوپر پتھر رکھ دیا جاتا۔ اور کہا جاتا کہ تیرا رب لات اور عزیٰ ہے لیکن بلالؓ فرماتے کہ وہ اَحد اَحد ہے ایک دن آپ اسی حالت میں تھے کہ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کا گزر ہوا۔ انہوں نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو سات اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کر دیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد سوم صفحہ 233-232 بیروت 1957ء

زیر عنوان بلال بن رباح)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمونہ

حضرت سعد بن ابی وقاص نے 15 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ جب ان کی والدہ کو آپ کے قبول اسلام کی اطلاع ملی تو وہ سخت رنجیدہ ہوئیں اور آپ سے کہا کہ اے

بیٹے اس نئے دین کو چھوڑ دے۔ آپ نے فرمایا میں نہیں چھوڑوں گا اس پر آپ کی والدہ نے کہا کہ جب تک تم اس نئے دین کو نہیں چھوڑو گے میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ یہاں تک کہ مر جاؤں۔ اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والے سعد بن ابی وقاص کا جواب تھا اگر تیرے سینے میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ساری نکل جائیں تب بھی میں ایمان سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔

(اسد الغابہ جلد 2 صفحہ 234 زیر عنوان سعد بن مالک)

گھر سے نکالا گیا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ایمان لانے سے آپ کے گھر میں شمع اسلام روشن ہو چکی تھی۔ انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کے بھائی عامر بن ابی وقاص نے آپؓ سے بھی بڑھ کر قربانی پیش کی۔ سیدنا حضرت مصلح موعود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

''رسول کریمؐ کے زمانہ کا واقعہ ہے ایک نوجوان جو بارہ تیرہ سال کا تھا۔ اسلام میں داخل ہوا۔ اس کی ماں نے اسے تکلیفیں دیں۔ برتن الگ کر دیے۔ کھانا الگ کر دیا۔ اور گھر کے افراد سے کہہ دیا کہ کوئی اسے چھوئے نہیں اور اس کی چیزوں کو ہاتھ تک نہ لگائے۔ اس کے علاوہ اس پر سختی بھی کی جاتی اور اسے مارا پیٹا جاتا۔ اور سالہا سال یہی حالت رہی یہاں تک کہ ہجرت کا زمانہ آ گیا۔ اور وہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا۔ وہاں ایک لمبا عرصہ رہنے کے بعد وہ پھر مکہ واپس آیا۔ اور کئی سال بعد وہ اپنے ماں باپ کے گھر گیا۔ اس نے سمجھا کہ اب ان کا غصہ دور ہو چکا ہوگا اور ماں کی مامتا اور باپ کی محبت جوش میں آئی ہوگی۔

......وہ خود کہتے ہیں کہ جب میں گھر میں داخل ہوا تو میری ماں بیتاب ہو کر مجھ سے چمٹ گئی اور رونے لگی۔ اس نوجوان کو بھی رونا آ گیا اور اس نے سمجھا کہ شاید میں اب اس گھر میں رہ سکوں گا۔ لیکن اس کی ماں کفر میں بڑی پختہ تھی۔ وہ اگر اسلام پر مضبوطی سے قائم تھا تو اس کی ماں کفر چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ماں اسے کہنے لگی۔ کہ بچے اب تو تجھے سمجھ آ گئی ہوگی۔ کہ تو نے کیا دین اختیار کیا ہے۔ دیکھ تجھے ماں باپ چھوڑنے پڑے اپنے عزیز اور رشتہ دار چھوڑنے پڑے اور پھر کیسی کیسی تکلیفیں ہیں جو تو نے اٹھائیں۔ اب بھی تو ہم میں آ کر مل جا۔ اور یاد رکھ کہ ہم اس صورت میں تجھ کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں کہ تو پھر ہم میں شامل ہو جائے اور اسلام کو ترک کر دے۔ اس نے سمجھا کہ اثر ڈالنے کا یہی موقعہ ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے مگر وہ نوجوان بھی کم ایمان والا نہیں تھا۔ یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا ماں اگر تمہاری یہی شرط ہے کہ محمدؐ کو چھوڑ دوں۔ تو یہ شرط میں کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ میری تم سے آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد میں اس گھر میں نہیں آؤں گا۔ چنانچہ پھر عمر بھر اس صحابی نے اپنی ماں کی شکل نہیں دیکھی''۔

(خطبات محمود جلد دوم صفحہ 50-249)

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد چہارم صفحہ 23 زیر عنوان عامر بن ابی وقاص)

جسمانی تکالیف اور مالی قربانی

حضرت خباب بن الارت ابتدائی اسلام قبول کرنے والے صحابی ہیں۔ آپ لوہار تھے آپ کو کفار کی طرف سے شدید مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن کفار میرے پاس آئے اور انہوں نے میرے لئے آگ تیار کی۔ پھر مجھے اس پر لٹا دیا اور اس پر بس نہیں کیا۔ لٹانے کے بعد ایک بدبخت نے میرے سینے پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور وہ دہکتے انگارے میری کمر سے بجھے۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد سوم صفحہ 165)

جسمانی ایذاء دہی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ جہاں تک ان کے بس میں تھا انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا۔ حضرت خباب خود بیان کرتے ہیں کہ میں لوہار تھا اور عاص بن وائل کے ذمہ میری کچھ رقم واجب الادا تھی میں نے اس کا تقاضہ کیا تو اس نے کہا کہ میں تب تجھے رقم دوں گا جب تو محمد کا انکار کرے گا۔ تو میں نے کہا کہ میں ہرگز انکار نہیں کروں گا خواہ تو مر کر دوبارہ بھی اٹھا دیا جائے۔ اس نے کہا تو پھر میں بعد الموت بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہی تیری رقم چکاؤں گا۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد سوم صفحہ 164 زیرعنوان خباب بن الارت)

نفع بخش سودا

حضرت صہیب رومیؓ بکتے بکاتے مکہ پہنچے اور یہاں آپ کو عبداللہ بن جدعان التیمی نے خرید کر آزاد کر دیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ اور ہجرت مدینہ کرنے لگے تو کفار نے سخت مزاحمت کی کہ تم مکہ میں محتاج ہو کر آئے تھے لیکن یہاں آکر دولت مند ہو گئے اب یہ مال لے کر ہم تمہیں یہاں سے نہیں جانے دیں گے۔ حضرت صہیبؓ نے کہا اگر یہ سارا مال تمہارے سپرد کر دوں تو کیا پھر مجھے جانے دو گے اس پر کفار راضی ہو گئے چنانچہ سارا مال ان کے حوالے کر کے آپ ہجرت کر گئے۔ جب یہ خبر رسول کریمؐ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:

رَبح صہیب، ربح صہیب کہ صہیبؓ نے نفع بخش سودا کیا ہے۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد سوم صفحہ 226-228 زیرعنوان صہیب بن سنان)

اسیری کی سزا

حضرت عیاش بن ربیعہؓ ابوجہل کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ اسلام لانے کے بعد آپ نے حبشہ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ابوجہل مدینہ آیا اور حضرت عیاش کو کہا کہ تمہاری والدہ تمہاری جدائی سے سخت بے قرار ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہ لے سر میں تیل نہ ڈالے گی اور نہ سائے میں بیٹھے گی اس پر حضرت عیاشؓ مکہ آ گئے لیکن ابوجہل نے آپ کو قید میں ڈال دیا اور آپ کو ہر قسم کی تکالیف پہنچانا شروع کر دیں۔ رسول کریمؐ مدینہ میں آپ کی رہائی کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔

(اسد الغابہ جلد نمبر 4 صفحہ 21 زیرعنوان عیاش بن ربیعہ)

اسی طرح کا واقعہ حضرت ولید بن ولیدؓ کا ہے۔

حضرت ولید بن ولیدؓ جنگ بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوئے۔ اور اس جنگ میں قیدی ہوئے۔ اور جب فدیہ دے کر رہا ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ آپ نے رہائی سے پہلے اسلام قبول کیوں نہ کیا تا کہ فدیہ سے بچ جاتے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ میرے متعلق یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں نے فدیہ سے بچنے کی خاطر اسلام قبول کیا ہے۔ جب آپ مکہ لوٹے تو آپ کو قید کر لیا گیا اور آپ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ رسول کریمؐ آپ کے لئے رکوع کے بعد کھڑے ہو کر دعا کیا کرتے تھے۔

(اسد الغابہ جلد نمبر 5 صفحہ 654 زیر عنوان ولید بن ولید)

ابو جندلؓ جب ایمان لائے تو آپ کے ساتھ بھی آپ کے گھر والوں نے بہیمانہ سلوک کیا۔ آپ نے اسلام کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا۔ آپ کو قید کر دیا گیا اور زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ صلح حدیبیہ میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ "اگر کوئی کافر اسلام قبول کر کے مدینہ آجائے تو اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ (جب ابو جندل کو پتہ چلا کہ مسلمان حدیبیہ کے مقام پر آئے ہوئے ہیں تو۔ ناقل) بیڑیوں میں جکڑے ہونے کی حالت میں گھسٹتے ہوئے مکہ سے حدیبیہ گئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے گرا دیا۔ سہیل نے (جو کہ معاہدہ لکھ رہا تھا۔ ناقل) کہا کہ یہ پہلا شخص ہے جس کا میں معاہدے کی رو سے تقاضا کرتا ہوں۔ آپؐ نے اسے واپس کر دیا۔

(بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد حدیث نمبر 2731)

حضرت خبیبؓ کی جانی قربانی

جنگ بدر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کی جماعت ایک مہم پر روانہ فرمائی۔ راستے میں کفار نے پکڑ لیا اور سات صحابہ کو شہید کر دیا حضرت خبیب کو جب شہید کیا جانے لگا تو آپ نے کہا مجھے اجازت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں آپ نے جلد جلد دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی جان قربان کرنے سے پہلے یہ دو شعر پڑھے۔

مَا اُبَالِی حِیۡنَ اُقۡتَلُ مُسۡلِمًا

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصۡرَعِی

وَذَالِکَ فِی ذَاتِ الۡاِلٰہِ وَاِنۡ یَشَاء

یُبَارِکُ عَلٰی اَوۡصَالِ شِلۡوٍ مُمَزَّعٍ

اب جبکہ میں اسلام کی راہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے یہ پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو پر قتل ہو کر گروں۔ یہ سب خدا کے لئے ہے۔ اور اگر میرا خدا چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکات نازل فرمائے گا۔

(بخاری کتاب المغازی باب احد یحبنا قالہ عباس بن سھل ......، السیرة النبویة لابن ہشام ذکر یوم الرجیع صفحہ ۵۹۳)

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان صحابہ کے نمونوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ضرورت پڑنے پر ہم بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں جان کے نذرانے دینے والے ہوں۔ آمین

ذہنی اور قومی ترقی

کے لئے غور وفکر کی عادت لازمی ہے

حضرت مصلح موعود نے 12/ جون 1952ء کے خطبہ جمعہ میں قومی تنزل کی بعض وجوہات بیان فرمائیں ۔ اس خطبہ کا کچھ حصہ قارئین خالد کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

(مرسلہ:۔مکرم محمد اسحاق صاحب بیوت الحمد ربوہ)

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

''ہمارے ملک میں رواج ہوگیا ہے کہ لوگ سوچتے کم ہیں اور باتیں زیادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک اس کے افراد زیادہ سوچیں اور باتیں کم نہ کریں۔

ہم (مومن) اپنے آپ کو (مومن) تو کہتے ہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر چلنے کی کوشش نہیں کرتے یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ ہم سوچتے کم ہیں اور باتیں زیادہ کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ لوگوں کو مسجد میں باتیں کرتے دیکھا تو فرمایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ یعنی آپ معاملات پر زیادہ غور فرمایا کرتے تھے۔ اور باتیں کم کیا کرتے تھے جس طرح بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تیزی سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کا طریق ایسا نہیں تھا۔ لیکن آج کل یہ رواج پڑ گیا ہے کہ لوگ باتیں زیادہ کرتے ہیں اور سوچتے کم ہیں۔ حالانکہ ذہنی اور قومی ترقی وابستہ ہے سوچنے کے ساتھ ہمیں بعض دفعہ یورپین لوگوں کی کتابیں پڑھ کر شرم آجاتی ہے وہ لوگ اپنی کتابوں میں جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ ایسا علم نہیں ہوتا جو سائنس کے اس گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہو جوان میں پایا جاتا ہے بلکہ جن باتوں سے انہوں نے استنباط کیا ہوتا ہے چاہے وہ جغرافیہ سے متعلق ہوں یا تاریخ سے وہ سائنس سے متعلق ہوں یا حساب سے ان کا علم ہمارے لئے بھی آسان ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ لوگ ہر بات پر فکر کرتے ہیں اور گہرے مطالعہ کی وجہ سے ایسے نتائج نکال لیتے ہیں جن نتائج تک ہمارے لوگوں کے ذہن نہیں پہنچتے۔ مجھے شرم آجاتی ہے یہ دیکھ کر کہ عربی زبان کی باریکیوں اس کے محاوروں اور اس کے الفاظ کی بناوٹ کے متعلق وہ لوگ ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جو ہمارے علماء اور ادیبوں نے نہیں لکھیں۔

وہ قرآن کریم کی آیات میں جو الفاظ استعمال ہوتے

ہیں ان کی ایسی تحقیق بیان کر جاتے ہیں جو ہمارے مفسرین اور علماء نے بیان نہیں کی ہوتی۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ وہ لوگ دشمن ہوتے ہوئے بھی ان باتوں تک پہنچ گئے اور ہمارے لوگ دوست ہونے کے باوجود ان تک نہیں پہنچے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم لوگ غور نہیں کرتے اور وہ ہر بات پر غور کرتے ہیں اور اس سے کوئی نہ کوئی نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ مجھے صبح کی نماز کے بعد سونے کی عادت ہے اس وقت چاروں طرف سے قرآن کریم کی تلاوت کی آوازیں میرے کان میں آتی ہیں تو میرا دل یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کر رہے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ دیکھ کر کوفت بھی ہوتی ہے کہ یہ لوگ طوطے کی طرح پڑھ رہے ہیں اور قرآن کریم کے معانی پر غور نہیں کرتے۔ اس لئے ان پر علوم قرانیہ آشکار نہیں ہوتے اس کے مقابلہ میں ایک عیسائی سال میں قرآن کریم کا صرف ایک صفحہ ایک دفعہ دیکھتا ہے لیکن اس طرح دیکھتا ہے کہ اس سے کوئی نہ کوئی نتیجہ اور مفہوم کھینچ لاتا ہے لیکن ہمارے لوگ قرآن کریم کے مطالب سے اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے چکنے گھڑے سے پانی گذر جاتا ہے اور اس پر کوئی اثر نہیں کرتا ایک عیسائی مصنف سال میں صرف ایک صفحہ پڑھ کر بھی اس سے نتیجہ نکال لیتا ہے چاہے وہ دشمنی سے ہی ایسا کریں۔ وہ قرآن کریم پر غور کر کے بعض اعتراض بھی کر دیتا ہے اگرچہ وہ اعتراض سطحی ہوتے ہیں لیکن ان کا جواب دینے کے لئے ہمیں غور کرنا پڑتا ہے۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کے اس حصہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے تم شاید دو اڑھائی ہزار کی تعداد میں یہاں بیٹھے ہو تم سے اگر یہ دریافت کیا جائے کہ قرآن کریم کی وہ کون سی آیات ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف نظر آتی ہیں تو چاہے تم نے ۵۰۔۶۰ دفعہ قرآن کریم پڑھا ہوگا تم کہو گے ہمیں نہیں پتہ لیکن ایک عیسائی جس نے دس بارہ صفحے پڑھے ہوں گے فوراً کہنا شروع کر دے گا کہ فلاں آیت فلاں کے خلاف ہے۔ فلاں آیت فلاں کے خلاف ہے۔ وہ ایک دفعہ پڑھنے کے باوجود اس سے کوئی نہ کوئی بات نکال لے گا۔

اور تم سو دفعہ کے بعد بھی اس سے کوئی بات نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ تم قرآن کریم کو محض تبرک کے طور پر پڑھتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کو پچاس دفعہ پڑھ لے تو وہ جنت میں چلا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ پچاس دفعہ پڑھنے کے بعد بھی تم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے اور ایک دشمن عیسائی نے ایک دفعہ بھی سارا قرآن کریم نہیں پڑھا ہوتا اس سے کوئی نہ کوئی مطلب نکال لیتا ہے چاہے وہ دشمنی کے نتیجہ میں ہی ہو۔ پھر سورتوں کی ترتیب سے ہمارے علماء اور مفسرین میں سے جو لوگ چوٹی کے گنے جاتے ہیں اور جن کے نام کے آگے ہمارے سر جھک جاتے ہیں وہ بھی اس کی ترتیب کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن جرمن متشرق نولڈ کے لکھتا ہے کہ میں نے پہلے قرآن کریم کو پڑھا تو یہ سمجھا کہ یہ ایک بے جوڑ سی کتاب ہے لیکن آخری عمر میں جا کر اس نے یہ لکھا کہ گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں نے

جو کچھ لکھا تھا وہ غلط تھا۔ قرآن کریم کے مطالب میں ایک زبردست ترتیب موجود ہے باوجود اس کے کہ وہ دشمن تھا اور باوجود اس کے کہ وہ کئی بار اس کے خلاف لکھ چکا تھا وہ قرآنی مطالب کی ترتیب کا اقرار کرتا ہے اس نے تو ایک آدھ دفعہ قرآن کریم پڑھا ہوگا لیکن تم تو سال میں پچاس ساٹھ دفعہ قرآن کریم پڑھ جاتے ہو رمضان میں قریباً ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ پانچ چھ سات یا آٹھ دفعہ قرآن کریم پڑھ جائے۔ اب جتنا قرآن کریم رمضان میں تم پڑھ لیتے ہو نولڈکے نے ساری عمر میں نہیں پڑھا ہوگا لیکن وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ جو بات میں نے پہلے لکھی تھی وہ غلط تھی۔ قرآن کریم میں زبردست ترتیب موجود ہے اور پھر اس نے اپنے اس دعویٰ کے دلائل بھی دیئے ہیں کہ میں نے جو نتیجہ پہلے نکالا تھا وہ غلط تھا میں نے سمجھا تھا کہ بڑی سورتیں پہلے رکھ دی گئی ہیں اور چھوٹی سورتیں بعد میں لیکن اب مطالعہ سے معلوم ہو کہ کئی بڑی سورتیں بعد میں رکھی گئی ہیں اور چھوٹی سورتیں پہلے آ گئی ہیں اس کے علاوہ اس نے اور بھی کئی نتائج نکالے ہیں۔ پس تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ اگر تم نے اپنے نفس کے اندر اور اس دنیا کے اندر تبدیلی پیدا کرنی ہے تو تم اپنے دماغ میں بھی تبدیلی پیدا کرو۔ تم سوچنے کی عادت ڈالو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کافر کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ وہ واقعات سے گزر جاتے ہیں اور انہیں ان کا احساس تک نہیں ہوتا تم بھی واقعات پر سے یونہی گزر جاتے ہو۔ اور ان سے سبق حاصل نہیں کرتے شیخ چلی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ جس ٹہنی پر بیٹھا تھا اسے ہی کاٹنے لگ گیا۔ اس کے پاس سے کسی گزرنے والے نے کہا کہ تم گر جاؤ گے تم اس ٹہنی کو کاٹ رہے ہو جس پر تم بیٹھے ہو۔ شیخ چلی نے کہا بڑا پیغمبر آیا ہے تُو۔ تجھے کیسے پتہ لگا کہ میں گر جاؤں گا۔ حالانکہ یہ تو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جس ٹہنی پر کوئی بیٹھا ہوا گر اسے کاٹ دیا جائے تو وہ نیچے گر جائے گا۔

تمہاری حالت بھی یہی ہے تمہارے سامنے سے بھی ایک چیز گزرتی ہے اور تم کہتے ہوا وہو یہ کیا ہو گیا۔ حالانکہ تمہیں اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ تم میں غور کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ تم نے سوچا نہیں ہوتا۔ تم نے اپنی آنکھیں نہیں کھولی ہوتیں۔ پس تم ہر بات پر سوچنے کی عادت ڈالو۔ غور کرنے سے ہی لوگ فلاسفر اور صوفی بن جاتے ہیں۔ صوفی اور فلاسفر میں صرف یہ فرق ہے کہ صوفی مذہب اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی باتوں کے متعلق غور کرتا ہے۔ اور فلاسفر دنیا کی باتوں میں غور وفکر کرتا ہے۔ ہوتے دونوں ایک ہی ہیں۔ صوفی خدا تعالیٰ کی باتوں کو اس کے قانون، سنت، احکام، تقدیروں اور اس کے کلام پر غور کرتا ہے اور ان سے نتیجہ نکالتا ہے اور جب کوئی پیدائش عالم پر غور کرتا ہے اور اس سے نتیجہ نکالتا ہے تو وہ فلاسفر کہلاتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص شریعت اور قانون شریعت پر غور کرتا ہے۔ تو وہ صوفی کہلاتا ہے۔ لوگوں نے یونہی صوفیا کے متعلق بے ہودہ باتیں بنالی ہیں اور کہتے ہیں صوفی وہ ہوتا ہے جو صوف کا کپڑا پہنے لیکن میں کہتا ہوں تم

اس کے معنے صوف کا کپڑا پہننے والے کے لے لو یا دل صاف رکھنے والے کے لے لو۔ بہرحال جو صوف کے کپڑے پہن لیتا ہے۔ وہ بھی دنیا سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور صرف خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پس تم کوئی معنے لے لو۔ اصل بات یہی ہے کہ جو دنیا سے قطع تعلق کر کے خدا تعالیٰ کی باتوں پر غور کرنے لگ جائے وہ صوفی ہے اور جو شخص قانون قدرت پر غور کرے۔ وہ فلاسفر ہے۔ فلاسفر کی زندگی بھی ایسی ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی عیاشی میں بہت کم حصہ لیتا ہے۔ حالانکہ فلاسفروں میں سے کئی ایسے بھی تھے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر تھے۔ اور بعض ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ اس دنیا سے جتنا بھی فائدہ اٹھایا جائے کم ہے۔ میں گھر میں قصہ سنا رہا تھا کہ بچپن میں ہم پڑھا کرتے تھے کہ سکندر ایک جگہ دورہ کرتے ہوئے پہنچا وہاں سے ایک فلسفی دیو جانس کلبی کا پتہ لگا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اس کی زیارت کرے۔ چنانچہ وہ اس فلسفی کے پاس گیا۔ وہ دھوپ سینک رہا تھا۔ سکندر نے خیال کیا کہ فلسفی اس سے خود بات کرے گا اور مجھ سے جو کچھ مانگے گا میں اسے دے دوں گا۔ لیکن وہ فلسفی چپ کر کے بیٹھا رہا۔ اور سکندر نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سکندر نے خیال کیا کہ وہ خود کوئی بات شروع کرے۔ چنانچہ اس نے فلسفی کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے آپ کی شہرت سنی تھی۔ اس لئے آپ سے ملنے آ گیا۔ میری خواہش ہے کہ آپ مجھ سے مانگیں تو میں آپ کی ضرورت کو پورا کروں۔ اس فلسفی نے کہا۔ اور تو میری کوئی خواہش نہیں۔ صرف اتنی خواہش ہے کہ میں دھوپ سینک رہا تھا۔ آپ سورج کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ میرے آگے سے ہٹ جائیں چنانچہ سکندر سورج کے آگے سے ہٹ گیا۔ تو دیکھو اس فلسفی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو یہی کیا میں دھوپ سینک رہا ہوں۔ تم آگے سے ہٹ جاؤ۔ حالانکہ وہ بزرگ نہیں تھا۔ وہ کوئی خدا رسیدہ نہیں تھا۔ لیکن وہ دنیا چھوڑ چکا تھا۔ وہ سوچنے میں مصروف تھا۔ اور دوسری باتوں کے لئے اس کے پاس کوئی وقت نہیں تھا۔ غرض چاہے کوئی فلسفی سائنس سے متعلق امور پر غور کر رہا ہو۔ یا حساب میں غور کر رہا ہو عیاشی کی زندگی سے وہ منہ موڑ لے گا۔ اسی طرح اقلیدس کے متعلق آتا ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہا تھا لیکن پوری بحث اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ بلکہ ایک دفعہ وہ نہا رہا تھا کہ سوچتے سوچتے وہ بات حل ہو گئی۔ اور کہنے لگا میں نے پا لیا میں نے حل کر لیا۔ لوگوں نے کہا تمہیں کیا ہو گیا تم تو ننگے ہی باہر پھر رہے ہو۔ اس نے کہا مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا۔ میں تو اس خوشی میں کہ میرا مسئلہ حل ہو گیا ہے باہر دوڑ پڑا۔ اب دیکھو اقلیدس قرآن کریم میں غور نہیں کر رہا تھا، وہ تورات اور انجیل پر غور نہیں کر رہا تھا، وہ صرف ایک دنیوی چیز پر غور کر رہا تھا۔ اور غور و فکر کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان ایک طرف لگ جاتا ہے بلکہ بعض لوگ تو اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے قریب کے ماحول کا بھی پتہ نہیں لگتا۔ پس تم غور کرنے کی عادت ڈالو اور جو واقعہ تمہاری نظر کے سامنے گزرے یا تمہاری قوم اور ملک سے گزرے اس پر غور کرو۔ تم دیکھ لو عیسائی اس بات پر غور کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے بارہ میں (مومنوں) میں کیوں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ لیکن تم اس بات پر غور نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کو (دین حق) سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ تم عیسائیوں کی کتابیں پڑھو۔ تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں۔ انہوں نے غور کر کے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ (دین حق) میں تنزل کیوں پیدا ہوا۔ لیکن تم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا۔ تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ کبھی وہ زمانہ تھا کہ تم دنیا کے فاتح تھے لیکن اب تم نکمے ہو گئے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ دماغ ان کو بھی ملا ہے اور تمہیں بھی وہ امریکہ اور انگلستان میں بیٹھے ان باتوں پر غور کر رہے ہیں۔ لیکن تم بے حس ہو کر بیٹھے ہو۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ اگر تم ان پر غور کرتے تو ان سے اچھے نتائج اخذ کرتے کیونکہ ان کے نتائج میں تعصب پایا جاتا ہے وہ رنگین عینک سے دیکھتے ہیں لیکن تم انصاف سے ان باتوں پر غور کرو گے۔ اگر تم غور کرتے تو تمہارے نفس کی بھی آہستہ آہستہ اصلاح ہو جاتی۔ جیسے کوئی شخص اچانک تمہاری طرف انگلی کرے۔ تو تم ڈر جاتے ہو۔ اور پیچھے مڑ جاتے ہو۔ تمہیں یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں تمہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔

اسی طرح اگر تم غور کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ تمہارا کینہ کپٹ، ظلم، چوری، حرام خوری، فریب اور دھوکہ بازی تمہاری قوم کو تباہ کر رہی ہے اور تم قوموں کی دوڑ میں پیچھے جا رہے ہو۔ اگر تم غور کرنے لگ جاؤ گے۔ تو لازماً تمہارا نفس ان باتوں سے انکار کرنے لگ جائے گا۔ آخر وجہ کیا ہے کہ ایک یورپین اور ایک امریکن بے ایمانی نہیں کرتا لیکن تم میں بے ایمانی پائی جاتی ہے۔ تم میں علم قرآن ہے۔ لیکن تم اس پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن ایک یورپین اور ایک امریکن اس پر عمل کرتا ہے۔ وہ قرآن کریم کی خاطر اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ اس لئے عمل کرتا ہے کہ اس نے اس امر پر غور کر لیا ہے، فکر کر لیا ہے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میں بھی تباہ ہو جاؤں گا اور میری قوم بھی تباہ ہو جائے گی۔ اس نے سوچنے کے بعد یہ نکتہ معلوم کر لیا ہے کہ اخلاق فاضلہ کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور کوئی فرد قوم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس اس پر یہ بات حل ہو گئی ہے لیکن تمہیں اس بات کا پتہ نہ لگ سکا تم سمجھتے ہو کہ دس روپے کسی سے لے لئے اور پھر اسے واپس نہ کئے تو کیا ہوا۔ لیکن تمہیں پتہ نہیں ہوتا کہ دس روپے نہ دینے سے تمہاری قوم دس سال پیچھے جا پڑے گی۔ تو تمہاری نسل سو سال پیچھے جا پڑے گی۔ قوم کی ترقی اخلاق فاضلہ پر منحصر ہے اور تمہاری ترقی تمہاری قوم کی ترقی پر منحصر ہے۔ تم اگر سوچتے تو یورپین اور امریکن لوگوں سے زیادہ فائدہ حاصل کر لیتے۔ لیکن تمہارے لئے حقیقی نتائج پر غور کرنے اور پھر ان پر عمل کرنے کا موقع آتا ہی نہیں۔ تم تقریریں کرو گے۔ لیکن جب کام کا موقع آئے گا تو لمبی تان کر سو جاؤ گے پس تم اپنے اندر غور کرنے کی عادت پیدا کرو۔ اور اپنے ہمسایوں دوستوں اور اپنی اولادوں میں بھی غور کرنے کی عادت پیدا کرو۔ تا کہ تم میں سے ہر شخص فلاسفر بن جائے اور اس پر جو سوال ہو گا اس کا وہ معقول جواب دے سکے"۔

(مطبوعہ الفضل مؤرخہ 12 راپریل 1961)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر

ایک پیشگوئی

جس پر آج تک کسی نے توجہ نہیں کی

(مرسلہ: مکرم خالد محمود صاحب)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ شاید تم ہدایت پا جاؤ۔

(آل عمران۔104)

"رات بہت بڑی گزر گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی طرف جو تورات میں ہے اور آج تک کسی نے اس پر توجہ نہیں کی۔ مگر خدا نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا پس اسی وقت میں نے تورات نکالی اور اس کو دیکھا جو لوگ علوم الٰہیہ اور اس کے استعارات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کو بے شک اس میں مزا آئے گا۔ مگر جو حقائق سے حصہ نہیں رکھتے وہ اس پر ہنسی کریں گے۔

وہ پیشگوئی اس طرح پر ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ جب ہاجرہ کو اور اسماعیل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام چھوڑ آئے تو ان کے پاس ایک پانی کی مشک دے کر چھوڑ آئے۔ جب وہ ختم ہو گئی اور حضرت اسماعیل پیاس کی شدت سے تڑپنے لگے اور قریب المرگ ہو گئے تو حضرت ہاجرہ ان کی اس حالت کو نہ دیکھ سکی اور کچھ فاصلے پر جا بیٹھی۔ وہاں لکھا ہے کہ تیر کے پٹے پر اس وقت ہاجرہ چلائی اور خدا کے فرشتہ نے اس کو پکارا اور کہا کہ اے ہاجرہ مت ڈر اٹھ لڑکے کو اٹھا۔ غرض پھر ہاجرہ کو ایک کنواں نظر آیا جہاں سے اس نے مشک بھری۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ فرشتہ نے جو ہاجرہ کو کنواں دکھایا تھا اسی میں ایک پیشگوئی تھی۔ اس پر میرے دل میں فوراً یہ آیت گزری۔

ترجمہ: اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔

ابراہیم کا پانی جب ختم ہو چکا تو اسماعیل قریب المرگ ہو گیا۔ اس وقت خدا نے اس سے بچالیا اور ایک اور کنواں پانی کا اسے دیا گیا۔ عرب والے بھی اسماعیل کی اولاد ہونے کے سبب سے گویا اسماعیلی ہی تھے جب ہدایت اور شریعت کا ان میں خاتمہ ہو گیا اور قریب المرگ ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے ایک نئی شریعت ان پر نازل کی اور یہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ غرض یہ پیشگوئی ہے جس کی طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی"۔

(الحکم جلد 5 نمبر 41 مورخہ 10 نومبر 1901ء صفحہ 2)
(بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 2 صفحہ 138)

حضرت مولوی غلام حسین صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رفیق حضرت مولوی غلام حسین صاحب کے کچھ حالات تاریخ احمدیت لاہور میں مکرم عبدالقادر صاحب سوداگرمل نے شائع کیے ہیں۔ان میں سے کچھ حصہ قارئین خالد کے لئے پیش ہے۔

(مرسلہ: مکرم شفیق احمد ججہ صاحب)

حضرت میاں محمد شریف صاحب ریٹائرڈ ای۔اے۔سی نے بیان فرمایا کہ:۔

آپ دبلے پتلے گورے رنگ کے تھے۔سر پر عمامہ باندھتے تھے۔قد درمیانہ تھا۔آپ گمٹی بازار والی (بیت) کے امام اور متولی تھے۔جب حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب وفات پا گئے تو ہم حضرت مولوی غلام حسین صاحب کی بیت میں جا کر نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔آپ کتابوں کے بڑے شوقین تھے۔قادیان جاتے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی لائبریری میں داخل ہوجاتے اور کتابیں پڑھنا شروع کر دیتے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ان کی خوراک وغیرہ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔مجھے یاد ہے۔جب آپ کوئی کتاب پڑھنے کے لئے اٹھاتے تو پہلے عزرائیل کو مخاطب کر کے کہتے کہ اے عزرائیل! تو بھی خدا کا بندہ ہے اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔میری تم سے درخواست ہے کہ جب تک میں یہ کتاب نہ پڑھ لوں میری جان نہ نکالنا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مورخہ 13 مئی 1944ء کو حضرت مولوی صاحب کے بارے میں فرمایا:

''ہمارے جماعت میں ایک بہت بڑے عالم اور نیک انسان ہوا کرتے تھے۔مولوی غلام حسین صاحب ان کا نام تھا......

''ان کے اندر بہت ہی علمی شوق تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (رفقاء) میں سے حضرت خلیفہ اول اور ایک وہ گویا کتابوں کے کیڑے تھے۔بلکہ مولوی غلام حسین صاحب کو حضرت خلیفہ اوّل سے بھی زیادہ کتابوں کا شوق تھا۔ان کی وفات بھی اسی رنگ میں ہوئی کہ وہ کلکتہ کسی کتاب کے لئے گئے اور وہیں سے بیمار ہوکر واپس آئے اور فوت ہو گئے۔

ان کا حافظہ اتنا زبردست تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے۔میں نے انہیں ایک دفعہ ایک کتاب دی کہ اسے پڑھیں۔انہوں نے میرے سامنے جلدی جلدی اس کے ورق الٹنے شروع کر دیئے۔وہ ایک صفحہ پر نظر ڈالتے اور اسے الٹ دیتے۔پھر دوسرے پر نظر ڈالتے اور اسے چھوڑ دیتے۔حضرت خلیفہ اوّل خود بھی بہت جلدی پڑھتے تھے۔مگر آپ فرماتے تھے کہ انہوں

نے اس قدر جلدی ورق الٹنے شروع کئے کہ مجھے خیال آیا کہ وہ شاید وہ کتاب پڑھ نہیں رہے۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب آپ کتاب پڑھیں تو سہی۔ وہ کہنے لگے۔ مجھ سے اس کتاب میں سے کوئی بات پوچھ لیجئے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے کوئی بات پوچھی تو کہنے لگے۔ یہ بات اس کتاب کے فلاں صفحہ فلاں سطر میں لکھی ہے۔

لاہور میں گمٹی بازار والی (بیت) پہلے ہماری ہوا کرتی تھی...... اس (بیت) میں مولوی غلام حسین صاحب نماز پڑھایا کرتے تھے مگر بہت ہی غریب تھے۔ بعض دفعہ اس قسم کی حالت بھی آجاتی کہ انہیں کئی کئی وقت کا فاقہ ہو جاتا لیکن وہ اس بات کو کہیں ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ کہ مجھے سات یا آٹھ وقت کا فاقہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنی انتڑیوں کو کچھ اس قسم کی عادت ڈالی ہوئی تھی کہ اتنے دنوں کے فاقہ کے بعد جب انہیں کھانا ملتا تو سات سات آٹھ آٹھ آدمیوں کا کھانا ایک وقت کھا جاتے۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک دن ان کے علم کو دیکھ کر شوق پیدا ہوا کہ میں ان کی کچھ خدمت کروں۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب! مجھے بھی اپنی خدمت کا موقع دیں۔ اور اگر کوئی خواہش ہو تو بیان فرمائیں تا کہ میں آپ کی اس خواہش کو پورا کروں فرماتے تھے میں نے جب یہ بات کہی تو تھوڑی دیر خاموش رہ کر اور کچھ سوچ کر کہنے لگے۔ جی چاہتا ہے۔ میرے لئے ایک ایسا مکان بنا دیا جائے جس کی دیواریں کتابوں کی بنی ہوئی ہوں گویا نئی کتابوں کی ایک چار دیواری ہو جس کے اندر مجھے بٹھا دیا جائے پھر کوئی شخص مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ تم نے روٹی بھی کھائی ہے یا نہیں۔ بس میں کتابیں پڑھتا جاؤں اور اتارتا جاؤں۔ جب رستہ بن جائے تو باہر نکل جاؤں۔

باوجود اس قدر علم کے ان کا طرز بحث مباحثہ کا نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ مقدمات کے سلسلہ میں گورداسپور میں مقیم تھے۔ کہ آپ کی مجلس میں بحث مباحثہ کا ذکر شروع ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی غلام حسین صاحب سے پوچھا۔ مولوی صاحب کیا آپ کو بھی کبھی بحث کرنے کا موقعہ ملا ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب فرمانے لگے جب میں نیا نیا پڑھ کر آیا تو لاہور میں میری خوب شہرت ہوئی۔ انہیں دنوں امرتسر کے قریب حنفیوں اور وہابیوں کا مناظرہ تجویز ہو گیا۔ میں اس مناظرہ میں وہابیوں کی طرف سے پیش ہوا۔ حنفی مناظر نے کسی موقعہ پر کہہ دیا کہ فلاں امام نے یوں کہا ہے۔ میں نے اسے کہا امام کیا ہوتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں تو پھر کسی امام کا کیا حق ہے کہ اس کے خلاف بات کرے۔ بس میرا یہ کہنا تھا کہ سب نے سونٹے اٹھالئے اور مجھے مارنے کے لئے دوڑے میں نے بھی

جوتیاں اٹھائیں اور وہاں سے بھاگ پڑا۔ اور بیس میل تک برابر بھاگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ شہر میں آ کر دم لیا۔ اس کے بعد میں نے توبہ کی کہ اب کبھی بحث نہیں کروں گا۔ غرض بہت ہی مخلص آدمی تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو ان کی وفات کی نسبت (خدا کی طرف سے بتایا گیا) تھا اور آپ نے ان کا بہت لمبا جنازہ پڑھایا تھا۔

ان کے اندر علم کا اس قدر شوق تھا کہ میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔ بڑھاپے میں جبکہ 75 سال ان کی عمر تھی۔ وہ کلرکوں کو پکڑتے تھے اور کہتے تھے اگر تمہیں دین کا شوق ہو تو میں تمہیں پڑھانے کے لئے تیار ہوں۔ ان کے چہرے پر کچھ تردد کے آثار دیکھتے تو کہتے۔ میں پیسے نہیں لوں گا، مفت پڑھادوں گا۔ پھر کچھ تردد دیکھتے تو کہتے۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں میں خود آپ کے گھر پر پڑھانے کے لئے آجایا کروں گا۔

مجھے ایک دفعہ چھ مہینے تک بخار رہا۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے مشورہ دیا کہ مجھے پہاڑ پر بھجوایا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے مجھے شملے بھجوادیا۔ اس وقت ان کی عمر پچھتر سال کے قریب تھی۔ ایک غیر احمدی کلرک تھا۔ جس کو انہوں نے پڑھانا شروع کیا تھا۔ اس کی شملہ تبدیلی ہوئی تو مولوی صاحب اپنے خرچ پر ہی شملہ چلے گئے۔ تاکہ اس کی پڑھائی میں حرج واقعہ نہ ہو۔ روٹی اپنے پلے سے کھاتے اور اسے مفت پڑھاتے رہے۔ ان کے اندر اخلاص بھی اس قدر تھا کہ جب ہم سیر کے لئے نکلتے تو وہ ہمارے ساتھ چل پڑتے۔ ایک لمبا سونٹا ان کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ چونکہ وہ بوڑھے تھے اور پہاڑ کی چڑھائی میں انہیں دقت پیش آتی تھی۔ اس لئے ہم پر یہ سخت گراں گذرتا کہ وہ تکلیف اٹھا کر التزاماً ہمارے ساتھ آتے ہیں۔ ایک دن میں نے خان صاحب منشی برکت علی صاحب اور مولوی عمر دین صاحب شملوی سے کہا کہ یا تو آئندہ گھر میں بیٹھ جاؤں گا اور سیر کے لئے نہیں نکلوں گا یا پھر کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے کہ مولوی صاحب کو پتہ نہ لگے کہ ہم کس وقت سیر کے لئے چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے باتوں باتوں میں مولوی صاحب سے پتہ لگا لیا کہ وہ کس وقت غائب ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن ہم اسی وقت سیر کے لئے چل پڑے۔ ابھی پندرہ بیس منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ ہم نے دیکھا وہ دور سے ایک بڑا سا سونٹا اپنے ہاتھ میں پکڑے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ہماری طرف آرہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ۔ مجھے بھی آلینے دو۔ جب ہمارے پاس پہنچے تو میرے ساتھیوں سے کہنے لگے۔ یہ حضرت صاحب کے لڑکے ہیں اور یہاں سب لوگ دشمن ہیں۔ ان کو اکیلے نہیں جانے دینا چاہیے۔ آپ لوگ میرا

انتظار کرلیا کریں۔

غرض بہت ہی مخلص اور نیک انسان تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ رومی ٹوپی والوں سے مصالحہ کرنے سے بہت گھبراتے تھے اور اگر کوئی ان کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لیتے۔ اور کہتے ''تسیں مصافحہ نہیں کردے تسیں تے باہواں توڑدے او'' یعنی آپ لوگ مصافحہ نہیں کرتے آپ تو ہاتھ توڑتے ہیں''۔

حضرت میاں محمد شریف صاحب نے بیان کیا کہ

جب آپ آخری بیماری میں بیمار ہوئے تو جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ان کا علاج کیا کرتے تھے۔ جب بہت ہی کمزور ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب نے ایک دن ان سے عرض کیا کہ مولوی صاحب! اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا آپ کا جنازہ قادیان لے جائیں؟ فرمایا۔ کیا حرج ہے؟۔ چنانچہ جب فوت ہوئے تو ان کا جنازہ قادیان لے جایا گیا۔

حضرت بابو غلام محمد صاحب ریٹائرڈ فورمین فرمایا کرتے تھے کہ:-

جب ہم ان کا جنازہ قادیان لے کر گئے تو ہم چاہتے تھے کہ انہیں بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جائے مگر معتمدین نے اعتراض کیا کہ ان کی وصیت کوئی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب ان کے اس اعتراض کا علم ہوا تو حضور نے فرمایا کہ ان کی وصیت کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو مجسم وصیت ہیں۔ یہ ہوئے خلیفہ ہدایت اللہ لاہوری ہوئے۔ ایسے لوگوں کو وصیت کی کیا ضرورت ہے؟

مولوی صاحب حد درجہ کے متقی تھے۔ حضور کے عاشق تھے اور دینی کاموں پر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ اور خلیفہ ہدایت اللہ صاحب کے متعلق مجھے افسوس ہے کہ ان کے ورثاء نے ان کو یہاں دفن کر دیا ہے۔ ان کے لئے صندوق نہیں بنوایا گیا تھا ورنہ میں اپنے خرچ پر ان کی نعش کو قادیان لے جاتا۔ ایک تیسرے شخص کا نام بھی حضور نے لیا تھا مگر مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔

رجسٹر روایات (رفقاء) حصہ چہارم لکھا ہے کہ

مولوی غلام حسین صاحب لاہوری کا جنازہ حضرت مسیح موعودؑ نے پڑھایا اور جنازہ کو کندھا دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ (بیت) مبارک میں تشریف لکھتے تھے کہ انبیاء کے متبعین کا ذکر چل پڑا۔ حضور نے فرمایا کہ عام طور پر انبیاء کے ماننے والے ان سے کم عمر کے لوگ ہوتے ہیں۔ بڑے بوڑھے بہت کم مانتے ہیں مگر مولوی غلام حسین صاحب لاہوری اور بابا ہدایت اللہ لاہوری یہ دونوں ایسے ہیں جو بڑے اور بوڑھے ہو کر ایمان لائے ہیں (صفحہ 42)

313 رفقاء کی فہرست مندرجہ ''انجام آتھم'' میں آپ کا نام 133 نمبر پر ہے۔

(تاریخ احمدیت لاہور)

نیوکلیئر بم یا نسل کشی

نیو کلیئر بم کے زندگی پر اثرات

(آر۔ایس بھٹی فاروق آباد)

سورۃ الدخان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس انتظار کرو اس دن کا جب آسمان ایک واضح دھواں لائیگا۔

(الدخان:۱۲-۱۱)

اسی طرح سورۃ المرسلات میں ہے کہ: جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ ایک دردناک عذاب ہوگا۔

ایسے سائے کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے۔

نہ تسکین بخش ہے نہ آگ کی لپٹوں سے بچاتا ہے۔

یقیناً وہ ایک قلعہ کی طرح کا شعلہ پھینکتا ہے۔

گویا وہ جوگیا رنگ کے اونٹوں کی طرح ہے۔

(المرسلات ۳۴-۳۱)

تیسری دنیا کی ایٹمی طاقتوں کے عوام کی اکثریت نے ایٹم بم کا صرف نام ہی سن رکھا ہے۔ اور ایٹم بم کی تباہی اور اس کے انسانی زندگی پر ہونے والے اثرات سے ہمارے لوگ قطعی لاعلم ہیں۔ زیادہ تر لوگ تو اسے کوئی پٹاخہ ہی تصور کرتے ہیں جو دشمن پر گرا کر خود چین کی بنسری بجائیں گے، جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیوکلیئر دھماکے کے وقت وہ ایک روشنی دیکھیں گے اور مر جائیں گے۔ جبکہ یہ تصورات درست نہیں۔ اس کے برعکس، ایک تو نیوکلیئر بم کو عالمی بارڈرز کی پہچان نہیں ہوتی لہذا اس کے بداثرات سرحدیں پار بھی کر جاتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ نیوکلیئر دھماکہ سے ہونے والی ہر دس میں سے نو اموات دھماکہ کے فوراً بعد نہیں ہوتیں۔ پھر انسانی زندگی پر نیوکلیئر بم کے اثرات ایسے نہیں جو عارضی ہوں اور قابل علاج ہوں، اور نہ ہی یہ متاثرہ انسان کے ختم ہو جانے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایک تو یہ انسانی ہیئت میں مستقل تبدیلی کر دیتے ہیں اور پھر یہ انسان میں جینیاتی تبدیلی بھی کر سکتے ہیں جو نسل در نسل منتقل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

نیوکلیئر دھماکہ کے انسانی زندگی پر جو بداثرات ہوتے ہیں ان میں سے بعض یہاں دیئے جا رہے ہیں اور یہ اعداد و شمار ایک میگاٹن نیوکلیئر دھماکہ کے ہیں۔ نیوکلیئر دھماکہ کا سب سے پہلا شکار دھماکہ کے مقام سے چھ مربع میل کے علاقے میں موجود لوگ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً نیوکلیئر بم سے نکلنے والی گاما شعاعوں کی وجہ سے فوراً ہی مر جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے صرف سائے باقی رہ جاتے ہیں، جو ان کے قریب موجود کسی دیوار یا پتھر پر بنتے ہیں، جبکہ وہ خود ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ان افراد کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے یعنی اس سے پہلے کہ انکا جسمانی برقی نظام کوئی پیغام

انکے دماغ تک پہنچائے وہ ختم ہو چکے ہوتے ہیں۔ نیوکلیئر دھماکہ کے تمام متاثرین میں سے ان لوگوں کا شمار خوش قسمت ترین افراد میں ہوتا ہے۔ اس دائرے کے باہر موجود افراد کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ یعنی وہ لوگ جو اس پہلے گاما ریز کے دھماکہ میں زندہ بچ گئے ہیں۔

نیوکلیئر دھماکہ سے پیدا ہونے والی روشنی جو کہ سورج کی روشنی سے کئی گنا زیادہ گرم اور زیادہ روشن ہوتی ہے اس قدر طاقتور ہوتی ہے کہ وہ ہر جاندار وجود کو اندھا کر دیتی ہے۔ یہ اندھا پن فوری اور دائمی ہوتا ہے۔ نہ جانور اور نہ ہواؤں میں اڑنے والے پرندے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ نہ ہی یہ بادشاہوں، علماء، یا سرکاری افسران سے کوئی رعایت برتتی ہے، اور نہ ہی فوجیوں کو بخشتی ہے، سب کو اندھا کر دیتی ہے خواہ ان کی آنکھیں کھلی ہوں یا بند۔ اور ایسا دس مربع میل کے رقبہ میں موجود جانداروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

وہ لوگ جو اتفاقاً دھماکہ کے وقت اس کی سمت کی طرف دیکھ رہے ہوں خواہ وہ پچاس (۵۰) میل کے فاصلے پر ہی کیوں نہ ہوں ان کی آنکھ کے ریٹینا (Retina) پر مستقل طور پر ایک بڑا دھبہ بن جاتا ہے اور ان کی آنکھ کے روشنی کا احساس (Receptor) دلانے والے خلیے تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایک بڑا سا بادل فوری طور پر ان کی آنکھ پر بن جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو گاما ریز کا شکار ہوتے ہیں ان کی آنکھ جو آخری منظر دیکھتی ہے وہ بھی یہی بادل ہوگا۔

اندازہ ہے کہ زیادہ تر لوگ جو ایٹمی دھماکہ میں مرتے ہیں وہ گاما ریز کے ابتدائی دھماکہ کے وقت نہیں مرتے؛ شاید وہ گاما ریز کے پھٹنے کے بعد ایک سیکنڈ کے دسویں حصہ میں ہونے والے شدید گرم ملٹی سپیکٹرل دھماکہ سے مرتے ہوں جو کہ ایکس ریز اور الٹراوائلٹ ریز پر مشتمل ہوتا ہے؛ یا پھر شاید وہ اس کے چند سیکنڈ بعد چلنے والی دباؤ کی لہروں (پریشر ویوز) کی وجہ سے مرتے ہوں گے جس کی وجہ سے جسم کے ہر مسام سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ یا ممکن ہے کہ وہ پریشر ویوز کے بعد چلنے والی آندھیوں کی وجہ سے مرتے ہوں جن کی رفتار دھماکہ کے مقام کے قرب میں سینکڑوں میل فی گھنٹہ ہوتی ہے اور دھماکہ سے چھ میل دور یہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہیں۔ ان آندھیوں اور تابکاری کی باقیات کی وجہ سے کٹے پھٹے بدشکل زخم بنتے ہیں۔ پریشر ویوز اور اس کے بعد چلنے والی آندھی زیادہ تر تباہی پھیلاتی ہیں۔ اور انکا دائرہ سینکڑوں مربع میل تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

جو لوگ زندہ بچ جاتے ہیں ان میں عموماً جو بیماریاں نمودار ہوتی ہیں ان میں قے، جلد کی سوجن، شدید نا ختم ہونیوالی پیاس اور بالوں کا گچھوں کی صورت میں گرنا وغیرہ شامل ہیں۔ انکی جلد اترنا شروع ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے جسم کے اندرونی خلیوں میں توڑ پھوڑ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اگر لوگ فوری طور پر اس جگہ سے منتقل بھی ہو جائیں تو بھی ان میں یہ تمام علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا جسم مہلک شعاعوں کو بہت زیادہ مقدار میں جذب کر چکا ہوتا ہے۔

گاما ریز کے دھماکہ، شدید گرمی کے دھماکہ، پریشر ویوز اور فوری آندھی (جو پہلے پریشر ویوز کی سمت اور بعد میں مخالف سمت میں چلتی ہے) کے بعد ایک آگ کا طوفان (Firestorm) چلتا ہے۔ جو کہ شدید گرم، تند و تیز

ہواؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسکی سمت دھماکہ کا مرکز ہوتا ہے۔ دھماکہ کا مرکز، جہاں ایک تابکاری بادل بن رہا ہے جو کھمبی کی شکل کا ہوتا ہے۔ یہ Firestorm اس تابکار کھمبی میں اضافہ کا باعث بنتا اور اسے بڑھاتا ہے۔ اور اسے اوپر کی طرف میلوں دھکیل دیتا ہے۔

ایک میگاٹن دھماکہ سے بننے والا بادل قریباً دس مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہوتا ہے اور قریباً اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔ یہ سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد یہ منتشر ہو جاتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا، لیکن اس سے تابکار نیوکلیائی کے گرنے کا عمل متواتر جاری رہتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ جہاں جہاں یہ تابکار نیوکلیائی گر رہے ہیں وہ علاقے لوگوں سے خالی کروا لیے جائیں۔ لیکن اس بادل کے نظروں سے اوجھل ہو جانے سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کونسے علاقے میں تابکار نیوکلیائی گر رہے ہیں۔ صرف پہلے دن دکھائی دینے والے تابکار مادے زمین پر گرتے ہیں۔ لیکن بعد میں ان کی کھوج لگانی مشکل ہو جاتی ہے۔ ان نیوکلیائی مادوں کی نشاندہی صرف گائیگر کاؤنٹر سے کی جاسکتی ہے۔ جو امدادی ٹیمیں اس علاقے میں کام کر رہی ہوں وہ محفوظ لباس استعمال کرتی ہیں ان بادلوں کے راستہ کا انحصار مکمل طور پر اس وقت اس علاقے میں چلنے والی ہواؤں پر ہوتا ہے جسے کھوج لگانا بہت مشکل کام ہے۔

ایک میگاٹن نیوکلیئر بم سے پیدا ہونے والا آگ کا طوفان (Firestorm) سو مربع میل کے علاقے تک پھیل سکتا ہے۔ اور بیس میگاٹن دھماکہ کا طوفان ۲۵۰۰ مربع میل تک پھیل سکتا ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے بم آج کے سٹینڈرڈ بموں کے مقابلے میں بہت چھوٹے تھے۔

اتحادیوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران جو بم جرمنی اور جاپان پر برسائے وہ ایک وقت میں ۲۵ مربع میل سے زائد علاقے کو تباہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور اس بمباری میں ۴۰۰ سے زائد جہازوں اور ہزاروں فوجیوں نے حصہ لیا تھا۔ لیکن آج صورتحال بالکل تبدیل ہو چکی ہے۔ آج ایک سپاہی کھانے کے وقفہ سے بھی کم وقت میں، اپنے ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر، ایک نیوکلیئر میزائل کے ذریعے تاریخ میں ہونیوالی تمام تر تباہیوں سے زیادہ تباہی پھیلا سکتا ہے......اور وہ بھی صرف ایک بٹن دبا کر۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسے اتنا سا کام بھی خود نہیں کرنا پڑتا وہ روبوٹ کو حکم دے کر بٹن دبوا سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیوکلیر جنگ کا واضح مطلب نسل کشی کے سوا اور کچھ نہیں۔

آگ کا طوفان (Firestorm)، زندہ بچ جانیوالوں کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن صورتحال ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی ہو تو.....کیونکہ بہت سے اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں یا پاگل ہو جاتے ہیں...... شاید یہ بھی ان کی خوش قسمتی ہی ہوتی ہے۔ Firestorm میں ایک طوفانی طاقت پیدا ہوتی ہے اور بہت تیز آندھیاں چلتی ہیں۔ اس آگ کا درجہ حرارت اسقدر ہوتا ہے کہ وہ سڑکوں کے اسفالٹ کی تہہ کو پہلے پگھلاتا اور پھر جلا دیتا ہے۔ جو لوگ محفوظ مقام کی تلاش میں سڑکوں پر بھاگ رہے ہوتے ہیں وہ بھی ساتھ ہی جل جاتے ہیں۔ اور جو لوگ دریاؤں میں کودتے ہیں وہ دراصل آگ میں کود رہے ہوتے ہیں۔ ان قابل رحم جانوں کو دیکھنا بھی ایک مشکل امر ہے۔

جو لوگ اس وقت زندہ بچ جاتے ہیں وہ اگلے چند دنوں، یا چند ہفتوں تک اپنی زندگی کا سب سے زیادہ تکلیف دہ دور گزار کر ختم ہو جاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ جلد پر ایک بے چین سی سرسراہٹ محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ خلیوں میں گاما ریز کی بہت زیادہ مقدار جذب کر لینے کی وجہ سے توڑ پھوڑ کا عمل ہو رہا ہوتا ہے۔ چند دنوں یا چند ہفتوں میں ان کو جسم کے ہر سوراخ اور ہر مسام سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے اور ان کی حالت خون کے ایک لوتھڑے کی سی محسوس ہوتی ہے۔

تابکار مادہ بعد میں دور دور پھیل جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد مرتی ہے۔ اس تابکاری سے کینسر، لیوکیمیا اور جینیاتی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ نیوکلیئر بم کو اس بات کا ادراک نہیں ہوتا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے، یا امن کے معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں، یا یہ کہ مخالف فوج تباہ ہو چکی ہے۔ وہ متواتر لوگوں کو مارنے اور مختلف جسمانی تکلیفوں میں مبتلا کرنے میں مصروف عمل رہتا ہے۔ دریا اور نہریں تابکاری کے اثرات ہزاروں میل تک پھیلاتے ہیں اور ان ممالک میں بھی یہ اثرات لے جاتے ہیں جن کا جنگ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

آخر میں نیوکلیئر دھماکہ کا سب سے زیادہ تکلیف دہ مرحلہ آتا ہے۔ جس کی وجہ سے زمین کی سطح پر نیوکلیئر تجربات کرنے پر پابندی لگائی گئی تھی...... وہ ہے ایک Electro-Magnetic Pulse کا بننا...... جسے مختصراً EMP کہا جاتا ہے۔ یہ لہر اس قدر بڑی ہوتی ہے کہ پورے ملک کو یا اس سے بھی زیادہ رقبہ کو گھیر سکتی ہے۔ EMP ان تمام دھاتوں کو برقی لہر گزارنے کے قابل بنا دیتی ہے جن میں عام طور پر برقی لہریں نہیں گزرتیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے پورے ملک پر ایک ہی وقت میں یکدم آسمانی بجلی گر جائے۔

کمپیوٹر چپ (chip) جو کہ بہت نازک پرزہ ہے اس میں ٹرانزسٹرز، کپیسٹرز، ڈائیوڈز اور رزسٹرز ایک دوسرے کے قریب مضبوطی کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ EMP اس کمپیوٹر چپ میں سے بھی گزر جاتی ہے جس کی وجہ سے کمپیوٹر مستقل طور پر کام کرنا چھوڑ جاتے ہیں۔ جو لوگ پیس میکرز (Pace makers) استعمال کر رہے ہیں ان کے پیس میکرز فوری طور پر کام کرنا بند کر دیتے ہیں لہذا ان کی فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔ بجلی بند ہو جاتی ہے۔ تمام پرائیویٹ اور کمرشل پروازیں کام کرنا چھوڑ جاتی ہیں کیونکہ ان میں موجود برقی تاریں EMP کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ یہ تمام جہاز کسی بھی قسم کی امدادی پرواز کے لیے قابل استعمال نہیں رہتے۔ گھروں میں موجود تمام برقی نظام اور اس سے منسلک مشینیں مکمل طور پر تباہ ہو جاتی ہیں۔

ایٹم بم کے متاثرین کے تاثرات

جاپان دنیا کا واحد ملک ہے جو ایٹم بم کا نشانہ بنا۔ بہت سے جاپانیوں نے جو ایٹم بم کے متاثرین میں سے تھے اپنے تجربات قلمبند کئے ہیں۔ Mr.Yoshida کا شمار بھی ایک ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ ناگاساکی میں رہائش پذیر تھے اور اس وقت تیرہ سال کے تھے۔ ان کے تاثرات کا خلاصہ لکھا جا رہا ہے جس سے ایٹم بم سے ہونے والی جسمانی اور نفسیاتی تکالیف کا اندازہ ہوتا ہے۔

"دھماکے کے وقت میں اپنے دوستوں کے ساتھ

سکول جا رہا تھا۔ دھماکے کے بعد اسقدر گرمی تھی کہ میں خود کو ایک تلی ہوئی مچھلی کی طرح محسوس کر رہا تھا اور دوہرا ہو گیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو خون میں اٹا ہوا پایا۔ میرے بازوؤں سے جلد اتر چکی تھی اور میری انگلیوں کے پوروں سے اس طرح لٹک رہی تھی جیسے کہ ایک پھٹی ہوئی قمیص، چمکدار سرخ گوشت نظر آ رہا تھا۔ میں نے خود کو کہا کہ یہ معمولی جلا ہے اور ٹنکچر لگانے سے ٹھیک ہو جائے گا۔ کیونکہ حیرت انگیز طور پر میں خود کو تندرست محسوس کر رہا تھا اور زخموں میں کوئی خاص درد نہ تھی لیکن جب ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو ہم ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے۔ ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو کھیتوں میں کام کر رہے تھے وہ اتنی بری طرح سے جھلس چکے تھے کہ مرد اور عورت میں پہچان مشکل تھی۔ ہم دوستوں نے ایک دوسرے کو چہروں میں رونما ہونیوالی تبدیلی کے بارے میں بتایا۔ میرا چہرہ بری طرح سے سوج رہا تھا اور آنکھوں کے پپوٹے اتنے بھاری ہو چکے تھے کہ دیکھنا دشوار تھا۔ ہماری عمر کے دو طالب علم ہمارے پاس سے گزرے جن میں سے ایک کے آنکھوں کے ڈھیلے باہر چہرے پر لٹک رہے تھے میں نے اس کی خون کی نالیاں دھڑکتی ہوئی دیکھیں۔ اس نے ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے کہا کہ میں بہتر محسوس کر رہا ہوں اور ساتھ ہی زمین پر گر کر فوت ہو گیا۔ چالیس سال گزر گئے لیکن آج بھی وہ منظر یاداشت میں محفوظ ہے۔ Urakami دریا کا پانی سرخ ہو چکا تھا۔ ہم دوستوں نے ایک دوسرے کو حوصلہ دیا۔ میرے لیے آنکھیں کھولنا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ میں صرف قدموں کی چاپ سے راستے کا اندازہ کر رہا تھا۔ یہ گرمیوں کا موسم تھا لیکن مجھے شدید سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک مجھے شدید پیاس محسوس ہوئی۔ میں پانی کے ایک گھونٹ کو ترس رہا تھا اس پیاس کی شدت کو بیان کرنا بلکہ تصور میں لانا بھی مشکل ہے۔ تمام شہر تباہ ہو چکا تھا۔ سردی اور پیاس کی شدت سے رات بھر نیند نہیں آئی۔

صبح ایک خاتون ریلیف ٹیم کے ساتھ مدد کے لیے آئی اس نے مجھے سٹریچر پر لٹایا۔ اور فرسٹ ایڈ دی۔ میں نے خود کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے گھر پہنچنے تک زندہ رہنا ہے۔ میں محسوس کرتا تھا کہ ان تکلیفوں سے صرف موت ہی نجات دے سکتی ہے۔ فرسٹ ایڈ کے بعد مجھے ایک سکول کی عمارت میں لایا گیا، جہاں میرے جیسے سینکڑوں لوگ تھے۔ میری آنکھیں اتنی سوج چکی تھیں کہ میں کوشش کے باوجود کھول نہیں سکتا تھا۔ میں نے اپنی ماں کی آواز سنی وہ میرا نام لے کر بار بار پکار رہی تھی۔ میں نے اس کی پکار کا جواب دیا لیکن میرا جسم اور چہرہ اسقدر تبدیل ہو چکا تھا کہ اسے یقین نہ آتا تھا کہ یہ میں ہی ہوں۔ جب وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے جا رہی تھی تب بھی اسے شک تھا کہ میں ہی اسکا بیٹا ہوں۔ گھر پہنچ کر میں نیم بے ہوشی کی کیفیت میں چلا گیا۔ ایک سال تک میرا ہسپتال میں علاج ہوتا رہا۔

ہسپتال سے فارغ ہو کر میں زیادہ وقت گھر کے اندر ہی گزارتا۔ اگرچہ بڑی تعداد میں لوگ متاثر ہوئے تھے۔ لیکن میری طرح تمام متاثرین گھر سے باہر جانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ ہمارے چہرے اسقدر بھیانک ہو چکے تھے کہ راستے میں سب لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے۔ میرا خیال ہے کہ جن لوگوں کے چہروں پر اثرات مرتب ہوئے انھوں نے تمام دوسرے متاثرین سے زیادہ

ذہنی اذیت اٹھائی۔ یہ درست ہے کہ عورتوں کے لئے یہ صورتحال مردوں سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔ سردیوں میں میری جلد پیلی ہو کر ٹوٹ پھوٹ جاتی تھی۔ ہمارے گھر کے ساتھ حجام کی دکان تھی لیکن میں وہاں تک نہیں جاتا تھا۔ اور میری کوشش ہوتی تھی کہ وہ گھر آ کر میرے بال کاٹ دے۔ لمبا عرصہ میں نے اسی مایوسی کی حالت میں گزارا۔ آخر کار میں نے ہمت کی اور خوش قسمتی سے گریجویشن کے بعد مجھے ایک کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ شروع میں تو میری ملازمت آفس کے اندر تھی لیکن بعد میں مجھے سیلز مین کے طور پر کام کرنا پڑا جس میں روزانہ ایک نئے تکلیف دہ تجربہ سے گزرنا پڑتا۔ ایک دن ایک خاتون ایک بچے کے ساتھ آئی اس کے بچے نے مجھے دیکھا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اس وقت میں جس ذہنی اذیت سے گزرا وہ ناقابل بیان ہے۔ میری شدید خواہش ہے کہ ہمارے بعد کسی کو بھی "ایٹم بم متاثرین" کا خطاب نہ ملے میری دعا کہ جو پرامن آسمان ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں وہ ہمیشہ قائم رہے۔

ان تاثرات کو پڑھ کر اس بات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ کس قدر بھیانک اور قابل نفرت چیز ہے۔ اور امن کتنی بڑی دولت ہے جس کی دنیا قدر نہیں کر رہی۔ ایٹم بم نے دوسری جنگ عظیم کے دوران قریباً ۲۵۰،۰۰۰ معصوم لوگوں کو قتل کیا۔ آج کے تیار کردہ نیوکلیئر بم، ہائیڈروجن بم، کیمیائی ہتھیار یا جراثیمی ہتھیار جاپان پر گرائے گئے فیٹ مین اور لٹل بوائے سے کہیں زیادہ طاقتور اور تباہ کن ہیں۔ اگر یہ تمام ہتھیار زمین سے ختم ہو جائیں تو یہ دنیا کہیں زیادہ خوبصورت ہو سکتی ہے۔ دو عظیم جنگیں لڑنے کے بعد دنیا نے امن کی قیمت جانی تھی لیکن اتنی محنت سے سیکھے ہوئے یہ سبق، انسان نے نصف صدی سے بھی کم عرصہ میں بھلانے شروع کر دیئے ہیں۔ کاش کہ انسان یہ جان سکے کہ کسی دوسرے کو اسکا حق دے دینے سے اسکے اپنے حق میں کوئی کمی نہیں ہو جاتی۔ اور جنگ مسائل کا حل نہ کبھی تھی نہ ہو سکتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ Revelation Rationality Knowledge and Truth میں فرماتے ہیں:-

"قرآن کی ایک دوسری سورۃ میں وسیع پیمانے پر جغرافیائی اور ماحولیاتی تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ زمین کے بہت سے خطے، ممالک اور براعظم مکمل طور پر سنسان ہو جائیں گے۔ یقیناً یہ اسی تباہی کے نتائج ہیں جن پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ اس تباہی سے پہلے وہی جگہیں دنیا کے خوبصورت اور قابل دید مقامات میں شمار ہوتی تھیں اور جن کا حسن و جمال خیرہ کن تھا۔ ہماری خواہش ہے کہ قرآن کی یہ پیش گوئیاں یا کم از کم یہ پیش گوئی وقوع پذیر نہ ہو۔ یقیناً یہ خواہش قرآن کی انذاری پیش گوئیوں کی بے ادبی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو محض ہمارا اس خدائے رحیم و کریم پر غیر متزلزل ایمان ہے جو سب سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔ سب سے بڑھ کر مہربان ہے۔"

(Revelation Rationality Knowledge and Truth, page 624)

اللہ تعالیٰ خلیفۂ وقت کی دردِ دل کے ساتھ مانگی ہوئی یہ دعا قبول فرمائے۔ آمین
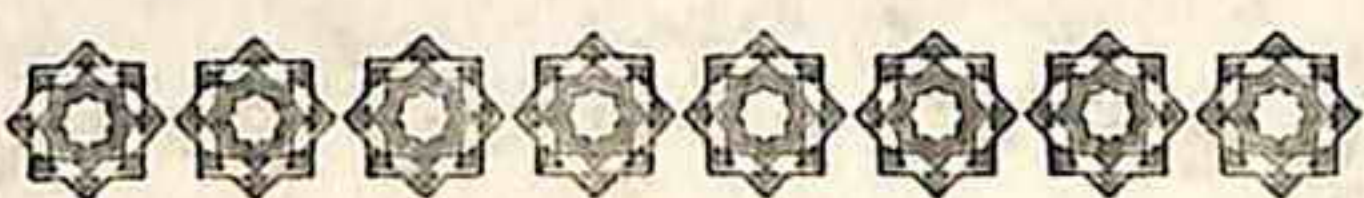
یونہی کٹتا ہے یہ زندگی کا سفر

آنکھ منزل پہ اور پاؤں میں آبلہ
پا پیادہ سہی، دکھ زیادہ سہی
اک صدی کا سفر بے ارادہ نہ تھا
نوک دشنہ و خنجر سے خائف نہیں
دوستوں کے گلے دل ترازو ہوئے
غیرت نے نوازی کو بیچا نہیں
کنجِ غربت کی تنہائیوں کی قسم
جام رِندوں کے ہاتھوں سے گرنے لگے
ہاتھ چومیں جو تیرا بھرے شہر میں
عجز کی انتہا سے ملی رفعتیں
جو نصیبوں میں لکھا ہے مل جائے گا
زندگی کی حقیقت بدلتی نہیں
معبدوں میں لہو سے نہائے گئے
سرفرازی اُسی کا مقدر بنی
کوئی پوچھے ستمگر سے جا کے ذرا
یونہی کٹتا ہے یہ زندگی کا سفر

یوں چلا دل فگاروں کا یہ قافلہ
اے مرے ہمسفر! حوصلہ حوصلہ
اِک جنوں تھا کہ جس نے دیا ولولہ
دستِ قاتل ہو یا لشکر کربلا
مل گیا عمر بھر کی وفا کا صلہ
ہم نے حرف صداقت کہا برملا
اِک سہارا تری یاد کا سلسلہ
ساقیا اب کسی محتسب کو پلا
ایسے لوگوں سے رکھ دو قدم کا فاصلہ
خاک میں ہم ملے تو وہ عقدہ کھلا
کیوں کرے آدمی آدمی کا گلہ
زندگی نقش بر آب اِک بلبلہ
ایسا ظلم و ستم ایسا کرب و بلا
وہ جو مقتل میں بھی سر اٹھا کے چلا
بے اماں ہم ہوئے تو تمہیں کیا ملا
یونہی جاری مکافات کا سلسلہ

(ڈاکٹر فضل الرحمن بشیر۔ تنزانیہ)

حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

(مکرم سالک احمد صاحب)

نام ونسب

نام محمد کنیت ابوعبداللہ اور ابوالفضل۔ لقب فخرالدین تھا۔ ہرات میں شیخ الاسلام کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی التیمی البکری۔ خود امام صاحب کا قول ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی اولاد سے ہیں۔

(مفتاح الشافعیہ جلد ا صفحہ ۱۵۱)

والد

والد کا نام عمر کنیت ابوالقاسم اور لقب ضیاء الدین تھا اور وہ اپنے زمانے کے بڑے واعظ، متکلم، صوفی، محدث ادیب تھے۔ انہوں نے کئی کتب لکھیں جن میں فن اصول وعظ بھی لکھے۔ عام مشغلہ درس وتدریس تھا اور وہ خطیب کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ اسی لئے امام فخرالدین رازی ابن الخطیب کے نام سے مشہور تھے۔

(طبقات الشافعیہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۵)

ولادت

امام صاحب کی ولادت ۲۵ رمضان ۵۴۳ھ میں بمقام رے ہوئی۔

تعلیم وتربیت

سب سے پہلے اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ان سے علم کلام اور علم فقہ پڑھا۔ والد کی وفات کے بعد ایک مدت تک کمال سمنانی سے علم فقہ کی تعلیم پاتے رہے۔ پھر علم حکمت کی طرف توجہ کی اور رے میں واپس آ کر اس کی تعلیم حاصل کی۔ پھر امام صاحب اپنے استاد مجدالدین الجیلی کے ساتھ رے سے مراغہ چلے گئے۔ اور وہاں پڑھتے رہے۔

(ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۷۴)

سفر

تعلیم سے فراغت کے بعد امام صاحب نے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ اور ان سفروں میں ان کو بڑی مشکلات درپیش آئیں جن میں بڑی مشکل تو امام صاحب کی غربت اور تنگ دستی تھی۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اس زمانے میں ممالک اسلامیہ میں مختلف العقائد فرقے موجود تھے۔ جن میں باہم مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ اور یہی مناظرے علم کے اظہار کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے امام صاحب کو بھی ہر جگہ جا کر مناظرہ کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ ان مناظروں سے آپس میں عداوت اور دشمنی بڑھتی تھی اس لئے امام صاحب کسی مقام

پر اطمینان سے قیام نہ کر سکتے تھے۔ اوران کو مخالفین کی شورش کی وجہ سے وہ علاقہ چھوڑنا پڑتا تھا۔ امام صاحب نے خوارزم اور ماوراء النہر کے سفر بھی کئے مگر وہاں بھی مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے زیادہ دیر نہ رہے اور واپس رے آ گئے۔

حصول دولت وجاہ

جب امام صاحب رے واپس آئے تو ایسا واقعہ ہوا کہ امام صاحب کے پاس اتنا روپیہ آیا کہ ان کی ساری غربت دور ہوگئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ رے میں ایک بڑا امیر طبیب تھا۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے اپنی دونوں لڑکیوں کی شادی امام صاحب کے دولڑکوں سے کردی۔ اوراس کی موت کے بعداس کی ساری دولت امام صاحب کے پاس آ گئی۔

(ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۷۵)

بادشاہوں سے تعلقات

اس زمانے کے علماء، صلحاء کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے بادشاہوں اور سلاطین کے ساتھ بھی امام صاحب کے اچھے تعلقات تھے۔ اس زمانہ میں خراساں اور اردگرد کے علاقوں کے بادشاہ غیاث الدین غوری اور پھر شہاب الدین غوری کے امام صاحب سے اچھے تعلقات تھے۔ غیاث الدین کے بھانجے بہاء الدین سام نے امام صاحب کے لئے ہرات میں مسجد کے ساتھ مدرسہ بنوایا۔ جس میں مختلف شہروں سے آ کر طلباء پڑھتے تھے۔ امام صاحب نے بھی اس کا حق نعمت ادا کیا۔ اوراس کے نام پر لطائف غیاثیہ اور دوسری کتب تصنیف کیں۔ امام صاحب مستقلاً سلطان شہاب الدین کے لشکر میں قیام رکھتے تھے اور ہر ہفتہ وعظ دیتے تھے۔

(منتخب التواریخ جلد ا صفحہ ۵۳)

خوارزم کے شاہی خاندان میں علاء الدین اور اس کا بیٹا محمد بن تکش خوارزم شاہ بڑے بادشاہ تھے۔ انہوں نے بھی امام صاحب کی نہایت قدردانی کی۔ سلطان علاؤالدین نے اپنے بیٹے محمد بن تکش کو پڑھانے کے لئے امام صاحب کو استاد مقرر کیا۔ پھر جب یہ خود بادشاہ بنا تو امام صاحب کو دربار میں بڑا جاہ ومال عطا ہوا۔

(ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۷۵)

مشاغل

امام صاحب کا بڑا مشغلہ درس وتدریس تھا۔ ان کی مجلس میں ایک شاہانہ شان تھی۔ اکابر تلامذہ آپکے قرب میں بیٹھتے تھے پھر بقیہ لوگ حسب مراتب بیٹھتے تھے۔

درس وتدریس کے ساتھ ان کا دوسرا مشغلہ مختلف فرقوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ تھا۔ مختلف فرقوں کے لوگ آپ کے پاس آ کر آپ سے سوالات کرتے تھے اور آپ ان کے جواب دیتے تھے۔

پھر آپ کا ایک مشغلہ وعظ کرنا بھی تھا۔ ان کی مجلس وعظ میں خاص وعام سب لوگ آتے تھے۔ وہ عربی وفارسی دونوں زبانوں میں وعظ کرتے تھے۔

وفات

امام صاحب نے ۶۰۶ھ میں دوشنبہ کے دن ۶۳ سال کی عمر میں ہرات میں وفات پائی۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ

عید الفطر کا دن تھا۔

(طبقات الشافعیہ جلد۵ صفحہ ۳۹)

مقام دفن کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ہرات میں پہاڑ کے دامن میں دفن ہوئے اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ہرات کے قریب ایک گاؤں مزداخان میں دفن ہوئے۔

(تاریخ الحکماء شہرزوری صفحہ ۱۷۶)

طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کی موت فرقہ کرامتیہ کی مخالفت کے سبب ہوئی اور اسی فرقہ کے لوگوں نے امام صاحب کو زہر دلوادیا تھا۔ جس کے اثر سے امام صاحب کی وفات ہوئی۔

(طبقات الشافعیہ جلد۵ صفحہ ۳۵)

اولاد

ان کی اولاد کی درست تعداد معلوم نہیں مگر طبقات الاطبا میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے بعد دولڑکے چھوڑے تھے۔ بڑے کا لقب ضیاء الدین تھا اور چھوٹے کا لقب شمس الدین تھا۔ یہ غیر معمولی طور پر ذہین تھا اور خود امام صاحب اس کی ذہانت کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میرا یہ لڑکا زندہ رہا تو مجھ سے زیادہ عالم ہوگا۔

(طبقات الاطباء جلد۲ صفحہ ۲۶)

ایک اور لڑکے کا ذکر ملتا ہے جس کا نام محمد تھا۔ مگر یہ ۶۰۱ ھ میں امام صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا۔ اس کی وفات کا امام صاحب کو بڑا صدمہ تھا اور امام صاحب نے سورۃ یونس کی تفسیر کے آخر پر اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد۵ صفحہ ۵۰)

حلیہ

امام صاحب کا حلیہ یہ تھا، دوہرا بدن، متوسط القامۃ، چوڑا سینہ، گھنی اور بڑی داڑھی، آواز بلند اور بہت پر ہیبت تھی۔

تصانیف

امام صاحب عمر بھر تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور تقریباً ہر فن میں کتابیں لکھیں۔ شہرزوری نے لکھا ہے کہ انہوں نے بعض ایسے فنون پر بھی کتابیں لکھیں جس کے متعلق خود امام صاحب کو اعتراف تھا کہ وہ ان علوم سے ناواقف تھے۔ مثلاً سحر و طلسمات پر کتاب السر المکتوم۔

(تاریخ الحکماء شہرزوری صفحہ ۱۷۸)

امام صاحب نے مختلف علوم وفنون پر عربی اور فارسی زبان میں نہایت کثرت سے کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر کبیر۔ یہ عام طور پر تفسیر کبیر کے نام سے مشہور رہے مگر خود امام صاحب نے اس کا نام مفاتیح الغیب رکھا تھا۔

۲۔ اسرار التنزیل وانوار التاویل. ۳. لوامع البینات فی شرح اسماء اللہ تعالیٰ والصفات. ۴. محصل. ۵. الاربعین فی اصول الدین. ۶. معالم. ۷. عصمۃ الانبیاء. ۸. شرح وجیز. ۹. السر المکتوم فی مخاطبۃ النجوم.

☆☆☆☆☆

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد — تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت میں تمام — مٹ گیا گھسنے میں اِس عقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — اس قدر دشمن اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مُبدّل بہ دمِ سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال — روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

تا کہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل — دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل، ذوقِ تماشا غالبؔ

چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

(مرزا اسد اللہ غالبؔ)

افکارِ تازہ

کچھ اردو گرامر اور حساب کتاب کی باتیں

(مرسلہ: مکرم مبشر احمد ڈار صاحب)

ایک سبق گرامر کا

لفظوں کے اُلٹ پھیر کے علم کو گرامر کہتے ہیں۔ لفظوں کا مجموعہ جملہ کہلاتا ہے۔ یہ مجموعہ زیادہ بڑا اور لمبا ہو جائے تو اُسے میر جملہ کہتے ہیں۔

اب چونکہ جملے بازی اور فقرے بازی لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اس لئے گرامر کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہو گئی ہے۔

شاعری کی گرامر کو عروض کہتے ہیں۔

پرانے لوگ عروض کے بغیر شاعری نہیں کیا کرتے تھے۔ آج کل کسی شاعر کے سامنے عروض کا نام لیجئے تو پوچھتا ہے وہ کیا چیز ہوتی ہے۔ ہم نے ایک شاعر کے سامنے زحافات کا نام لیا...... بولے خرافات؟ مجھے خرافات پسند نہیں۔ بس میری غزل سنیئے اور جائیے۔

عروض میں بحریں ہوتی ہیں جن میں بعض گہری ہوتی ہیں۔ نومشق ان میں اکثر ڈوب جاتے ہیں۔ اسی لئے احتیاط پسند لوگ شاعری اور عروض کے پاس نہیں جاتے۔ عمر بھر نثر لکھتے رہتے ہیں۔

لفظ اور صیغے

پرانے زمانے میں تذکیر و تانیث کے قاعدے مقرر تھے۔ قاعدہ یاد نہ ہو تو لباس اور بالوں وغیرہ سے پہچان ہو جاتی تھی۔ اب مخاطب سے پوچھنا پڑتا ہے کہ تو مذکر ہے یا مونث ہے اور بتا تیری رضا کیا ہے؟

بہت سے واحد ایک جگہ اکٹھے ہوں تو جمع کے صیغے میں آ جاتے ہیں۔ جمع کے صیغے میں تھوڑی احتیاط ضروری ہے خصوصاً جن دنوں شہر میں دفعہ 144 ہوتی ہو۔ ان دنوں جمع نہیں ہونا چاہیے۔ واحد رہنا ہی اچھا ہے۔

فعل ماضی

ماضی میں کسی شخص نے جو فعل کیا ہو اُسے فعل ماضی کہتے ہیں۔ کرنے والا عموماً اسے بھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن لوگ نہیں بھولتے۔

ماضی کی کئی قسمیں مشہور ہیں۔ سب سے مشہور ''شاندار ماضی'' ہے۔ جس قوم کو اپنا مستقبل ٹھیک نظر نہ آئے وہ اس صیغے کو بہت استعمال کرتی ہے۔

ایک ماضی شکیہ ہے۔ جن لوگوں کا ماضی مشکوک ہو وہ ماضی شکیہ کی ذیل میں آتے ہیں۔ عموماً ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں۔

ماضی شرطی یا ماضی تمنائی جن لوگوں نے ریس میں یا تاش پر شرطیں بد بد کر اپنا ماضی تباہ کیا ہو اُن کی ماضی کو شرطی کہتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کی تمنا ہوتی ہے اور پیسے آئیں تو ان کو بھی ریس میں لگائیں اس لئے شرطی اور تمنائی دونوں ماضیاں ساتھ ساتھ آتی ہیں۔

ماضی کی دو اور قسمیں ماضی قریب اور ماضی بعید ہیں۔ ماضی کو حتی الوسع قریب نہ آنے دینا چاہیے۔ جتنی بعید رہے گی

اور جتنے اس پر پردے پڑے رہیں گے۔ اتنی ہی بھلی معلوم ہوگی۔ ماضی کا بعید رہنا مستقبل کے لئے بھی اچھا ہے۔

فعل مستقبل

جو لوگ آج کا کام ہمیشہ کل پر ٹالتے ہوں ان کے ہر فعل کو فعل مستقبل کہا جاتا ہے۔ میں کروں گا، میں وہ کروں گا، فعل مستقبل ہی کی مثالیں ہیں۔ الیکشن وغیرہ کے دنوں میں ساری گفتگو عموماً فعل مستقبل کے صیغوں ہی میں ہوتی ہے۔

فعل کی دیگر قسمیں

فعل کی بنیادی قسمیں دو ہیں۔ جائز فعل، ناجائز فعل۔ ہم صرف جائز قسم کے افعال سے بحث کریں گے۔

فعل کی دو قسمیں فعل لازم اور فعل متعدی بھی ہیں۔ فعل لازم وہ ہے جو کرنا لازم ہو۔ مثلاً افسر کی خوشامد، حکومت سے ڈرنا۔ بیوی سے جھوٹ بولنا وغیرہ۔

فعل متعدی عموماً متعدی امراض کی طرح پھیل جاتا ہے۔ ایک شخص کنبہ پروری کرتا ہے۔ دوسرے بھی کرتے ہیں۔ ایک رشوت لیتا ہے۔ دوسرے اس سے بڑھ کر لیتے ہیں۔ ایک بناسپتی گھی کا ڈبہ پچیس روپے میں کر دیتا ہے۔ دوسرا گوشت کے ساڑھے بارہ روپے لگاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ دونوں اپنے فعل متعدی کو فعل لازم قرار دیتے ہیں۔ ان افعال میں گھاٹے میں صرف مفعول رہتا ہے یعنی عوام۔ فاعل کی شکایت کی جائے تو فائل دب جاتی ہے۔

فعل حال

یہ بھی دو طرح کا ہوتا ہے اچھا حال اور برا حال۔ بیمار کا حال عموماً برا حال ہوتا ہے لیکن اُن کے دیکھے سے جو منہ پر رونق آجاتی ہے تو وہ سمجھتا ہے اچھا ہے۔ ابتدائی حساب

حساب کے چار بڑے قاعدے ہیں۔

جمع، تفریق، ضرب، تقسیم

پہلا قاعدہ: جمع

جمع کے قاعدے پر عمل کرنا آسان نہیں۔

خصوصاً مہنگائی کے دنوں میں

سب کچھ خرچ ہو جاتا ہے

کچھ جمع نہیں ہو پاتا۔

جمع کا قاعدہ مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہے۔

عام لوگوں کے لئے 1.5=1+1

تجارت کے قاعدے سے جمع کریں تو 1 + 1 کا مطلب ہے گیارہ۔

رشوت کے قاعدے سے حاصل جمع اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

قاعدہ وہی اچھا جس میں حاصل جمع زیادہ سے زیادہ آئے بشرطیکہ پولیس مانع نہ ہو۔

ایک قاعدہ زبانی جمع خرچ کا ہوتا ہے

یہ ملک کے مسائل حل کرنے کے کام آتا ہے۔ آزمودہ ہے

تفریق

میں...... ہوں، تو...... نہیں ہے

میں...... ہوں، تو...... نہیں ہے..........

اس کو تفریق پیدا کرنا کہتے ہیں

حساب کا یہ قاعدہ بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے

تفریق کا ایک مطلب ہے، منہا کرنا

یعنی نکالنا ایک عدد میں سے دوسرے عدد کو
بعض عدد از خود نکل جاتے ہیں
بعض کو زبردستی نکالنا پڑتا ہے
ڈنڈے مار کر نکالنا پڑتا ہے
فتوے دے کر نکالنا پڑتا ہے
ایک بات یاد رکھیئے
جو لوگ زیادہ جمع کر لیتے ہیں
وہی زیادہ تفریق بھی کرتے ہیں
انسانوں اور انسانوں میں..........
عام لوگ تفریق کے قاعدے کو پسند نہیں کرتے
کیونکہ حاصل تفریق کچھ نہیں آتا
آدمی ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

ضرب

تیسرا قاعدہ ضرب کا ہے
ضرب کی کئی قسمیں ہیں
مثلاً ضرب خفیف۔ ضرب شدید، ضرب کاری وغیرہ
ضرب کی ایک اور تقسیم بھی ہے۔
پتھر کی ضرب، لاٹھی کی ضرب، بندوق کی ضرب
علامہ اقبال کی ضرب کلیم ان کے علاوہ ہیں
حاصل ضرب کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ ضرب کس چیز سے دی گئی ہے یا لگائی گئی ہے۔
آدمی کو آدمی سے ضرب دیں تو حاصل ضرب بھی آدمی ہی ہوتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ زندہ ہو۔
ضرب کے قاعدے سے کوئی سوال حل کرنے سے پہلے تعزیرات پاکستان پڑھ لینی چاہیے۔

تقسیم

یہ حساب کا بڑا ضروری قاعدہ ہے۔ سب سے زیادہ جھگڑے اسی پر ہوتے ہیں۔ تقسیم کا مطلب ہے بانٹنا
اندھوں کا آپس میں ریوڑیاں بانٹنا
بندر کا بلیوں میں روٹی بانٹنا
چوروں کا آپس میں مال بانٹنا
اہلکاروں کا آپس میں رشوت بانٹنا
مل بانٹ کر کھانا اچھا ہوتا ہے
دال تک جوتوں میں بانٹ کر کھانی چاہیے
تقسیم کا طریقہ کچھ مشکل نہیں ہے
حقوق اپنے پاس رکھیے
فرائض دوسروں میں بانٹ دیجئے
روپیہ پیسہ اپنے کیسے میں ڈالئے
قناعت کی تلقین دوسروں کو کیجئے
آپ کو مکمل پہاڑہ مع گُر یاد ہو
تو کسی تقسیم کی کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی۔ آخر کو 12 کروڑ کی دولت کو 22 خاندانوں نے آپس میں تقسیم کیا ہی ہے؟
کسی کو پتہ چلا؟

سوالات

ا۔ تفریق کے قاعدے سے دودھ میں سے مکھی نکالو۔
۲۔ آدمی ضرب مسلسل کی تاب کہاں تک لا سکتا ہے؟
۳۔ جو اندھے نہیں، وہ بھی ریوڑیاں اپنوں ہی میں کیوں بانٹتے ہیں؟

قائم شدہ 1952
خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ
خالص سونے کے اعلیٰ زیورات کا مرکز
شریف جیولرز
ربوہ
ریلوے روڈ
6214750
6214760
اقصیٰ روڈ
6212515
6215455
پروپرائٹر۔ میاں حنیف احمد کامران
Mobil:0300-7703500

احمدی دوستوں کے لئے خصوصی رعایت
بٹ بلال آٹوز
یاماہا، ہنڈا، سوزوکی اور کاواساکی
کے پارٹس دستیاب ہیں
کشمیر روڈ بالمقابل باٹا مارکیٹ سیالکوٹ
پروپرائٹر
منصور احمد بٹ
فون: 052-4269738

ہم حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی درازئ عمر اور صحت و سلامتی کے لئے دعا گو ہیں

منجانب

قائد ضلع وارا کین عاملہ
مجلس خدام الاحمدیہ
ضلع میانوالی

اک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا

شرط اول بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو شرک سے مجتنب رہے گا۔

شرط دوم یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

شرط سوم یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔

شرط چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

شرط پنجم یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلاء میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضاء ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

شرط ششم یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہواوہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

شرط ہفتم یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

شرط ہشتم یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

شرط نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

شرط دہم یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

(اشتہار تکمیل (دعوۃ) ۱۲؍جنوری ۱۸۸۹ء)

Monthly
KHALID
C. Nagar
Editor:
Mansoor Ahmad Nooruddin
March 2006
Regd. CPL # 75/FD